ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

8

جمادی الاول ۱۴۲۲ھ
اگست ۲۰۰۱ء

جنرل مشرف کا دورۂ بھارت

مفسر قرآن، مجاہد آزادی
مولانا عبید اللہ سندھی رحمہ اللہ

گوشۂ امیر شریعت

بیاد سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

وہی مرغی کی ایک ٹانگ!

مالیاتی اور تعلیمی ادارے "مشرف بہ قادیانیت" کیوں؟

معرکۂ حق و باطل

امیر شریعتؒ اور جسٹس منیر کے درمیان ایک ایمان افروز مکالمہ

اسلام یا فکری ارتداد

آزادیٔ کشمیر
اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

اخبار الاحرار

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

Redg: M. Number 32

قیمت ۱۵ روپے	شمارہ ۸	جلد ۱۲

بیاد امیر شریعت حضرت سید الاحرار سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ
اگست ۲۰۰۱ء

بانی: مولانا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

زیر سرپرستی

حضرت مولانا خواجہ خان محمد مدظلہ

ابن امیر شریعت حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ

مدیر مسئول

سید محمد کفیل بخاری

رفقاءِ فکر

مولانا محمد اسحٰق سلیمی
پروفیسر خالد شبیر احمد
عبداللطیف خالد چیمہ
سید یونس الحسنی
مولانا محمد مغیرہ
محمد عمر فاروق

زر تعاون سالانہ

بیرون ملک 1000 روپے پاکستانی
اندرون ملک 150 روپے

رابطہ: دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان 061-511961

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوۃ — مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

تشکیل

دل کی بات:— اداریہ ——— مدیر ——— ۳

نعت:——— سید کاشف گیلانی..... منقبت سیدنا معاویہؓ انجم نیازی ——— ٦

نظمیں:——— غریب مزدور بچے۔الیکشن مہم ——— پروفیسر محمد اکرام تائب ۷

افکار:——— عالی جی! ایں چہ گفتی؟ ——— سید یونس الحسنی ——— ۸

// // ——— لہو کی پکار ——— محمد عمر فاروق ——— ۱۲

// // ——— وہی مرغی کی ایک ٹانگ ——— ملا معاویہ حنفی ——— ۱٤

// // ——— اسلام---یا--- فکری ارتداد ——— محمد عطاء اللہ صدیقی ——— ۱٦

// // ——— انسان: اشرف المخلوقات ——— س،ب۔ بخاری ——— ۲۳

نقد و نظر:——— شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور ——— ابو معاویہ فقیر اللہ رحمانی ۲٤

گوشۂ امیر شریعت معرکۂ حق و باطل: حضرت امیر شریعت اور جسٹس منیر کا مکالمہ سید محمد کفیل بخاری ——— ۳۸

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ: ایک باغ و بہار شخصیت شورش کاشمیری ——— ٤۱

آزادیٔ کشمیر اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ——— مولانا زاہد الراشدی ——— ٤۵

امیر شریعتؒ..... کی میلسی سے وابستہ یادیں ——— حاجی غلام مصطفیٰ عجمی ——— ٤۸

منظوم حصہ سید زندہ دلاں: ،سید محمد یونس بخاری.....خطابت کے سمندر کا شناور: حافظ شفیق الرحمٰن ضیاء ——— ۵٤

ضیغم احرار شیخ حسام الدینؒ ——— محمد معاویہ رضوان ——— ۵٤

شخصیت: مفسر قرآن، مجاہد آزادی مولانا عبید اللہ سندھیؒ محمد الیاس میراں پوری ۵۵

حسن انتقاد: تبصرۂ کتب ——— ذ۔ بخاری ——— ۵۸

اخبار الاحرار: ادارہ ——— ٦۲

خاص کی بات

مالیاتی اور تعلیمی ادارے ''مشرف بہ قادیانیت'' کیوں؟

آخر اس سوال کا کیا جواب ہے کہ آج ٹھیک بیس ماہ ہوتے ہیں، جب سے وطنِ عزیز میں ''پرویزی عہد'' کا آغاز ہوا ہے، حکومت کی ''توجہات و برکات'' اور ''فوائد و ثمرات'' سے سب سے زیادہ قادیانی امتِ مرتدہ، ''مشرف'' اور متمتع ہو رہی ہے۔ دور کیوں جایئے، اسی رواں مہینے کی یہ چند خبریں ملاحظہ کیجئے، جن کے مطابق (۱) سنٹرل بورڈ آف ریونیو (سی بی آر) کا چیئرمین ایک قادیانی ______ ریاض ملک کو بنا دیا گیا ہے۔ (۲) قادیانی جماعت کی آمدنی کو انکم ٹیکس سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا ہے۔ (۳) بھٹو دور میں، قومیائے گئے تعلیمی اداروں میں سے، قادیانیوں کے تعلیمی ادارے، قادیانیوں ہی کی نجی ملکیت میں واپس دیئے جا رہے ہیں۔

ممکن ہے، ان خبروں کی ''سرکاری منطق'' یہ پیش کی جائے کہ معمول کی باضابطہ کارروائیوں کو بلاضرورت، مذہبی رنگ دے کر متنازعہ بنایا جا رہا ہے۔ لیکن یہ منطق ویسی ہی بودی، بھونڈی، لغو اور فریب کارانہ ہوگی، جیسی کہ ہمیشہ سے اس طرح کے کھیلوں میں ہوا کرتی ہے۔ سی بی آر کا نیا چیئرمین ریاض ملک وہی شخص ہے جس نے اس سال مئی میں، سی بی آر کے معطل کیے جانے والے ۱۰۴۶ بدعنوان افسروں کی فہرست میں سے قادیانیوں کے نام نکال کر، دیانت دار مسلمان افسروں کے نام شامل کیے۔ اور یہ بات حکومت کے نوٹس میں لائی جا چکی ہے۔ سی بی آر میں گھسے ہوئے ''قادیانی مافیا'' کو، اعلیٰ عہدوں پر فائز جو پانچ چھے قادیانی سرپرستی مہیا کرتے ہیں، ریاض ملک ان کا سرغنہ چلا آ رہا ہے۔ ادھر محکمہ انکم ٹیکس نے قادیانی جماعت کے دو اداروں تحریکِ جدید اور انجمن احمدیہ کو ''مذہبی اور خیراتی بنیادوں'' پر انکم ٹیکس کی چھوٹ دے دی ہے۔ اگر ہم اس دوسری خبر کو پہلی خبر کے ساتھ ملا کر پڑھیں تو اس کے معنیٰ محتاجِ وضاحت نہیں رہتے۔ جہاں تک قومیائے گئے سکولوں کی واپسی کا تعلق ہے، حکومت کا کہنا ہے کہ وہ اولاً صرف اقلیتوں کے سکول واپس کر رہی ہے، لہٰذا عیسائیوں کو سکول واپس کر دیے گئے ہیں اور قادیانیوں کو سکول لوٹائے ہی جانے والے ہیں۔ اس سلسلے میں بنیادی بات یہ ہے کہ عیسائیوں کو اپنا ''غیر مسلم اقلیت'' ہونا تسلیم ہے۔ کیا قادیانی بھی اپنی یہ حیثیت تسلیم کرتے ہیں؟ وہ اپنے آپ کو جب تک ''مسلمان'' باور کرانے سے باز نہیں آتے، بطور غیر مسلم اقلیت کے، ملنے والی مراعات کے کیونکر مستحق قرار پائیں گے؟ جب کہ قادیانی جماعت خالصتاً ایک سیاسی تحریک ہے۔ ایک ایسی تحریک جس کی، روزِ اول سے صیہونی تحریک سے گاڑھی چھنتی چلی آ رہی ہے اور جو آج بھی یورپ و امریکہ میں پوری آزادی کے ساتھ، اپنا تبلیغی و تنظیمی کفریہ نیٹ ورک چلا رہی ہے۔ پاکستان سمیت کسی بھی اسلامی ملک میں، قادیانیوں کے ''تعلیمی ادارے''، تخریب و سازش کے ان اڈوں کے سوا کوئی

حیثیت نہیں رکھتے کہ جہاں سے مشرقی پاکستان کو بنگلہ دیش بنانے والی زہریلی ذہنیت کی فوجیں تربیت پاکر برآمد ہوا کرتی ہیں۔

جنرل پرویز مشرف، بیک وقت سات اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز ہیں، گویا ہفت کشور کے مالک ہیں ـــــ لیکن یہ جو کچھ ان کے عہد حکومت میں ہو رہا ہے، اس سے بظاہر تو یہی محسوس ہوتی ہے کہ اس ملک کے اداروں اور اس ملک کے مستقبل کا سودا طے پا رہا ہے۔ گنتی کی چند قادیانی بیوروکریٹس نے آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کی مدد سے ایک ایسی بساط بچھائی ہے کہ جس پر ملک کے اسلامی تشخص، آئین، قانون، ملکی سلامتی، عدل وانصاف اور حب الوطنی کی حیثیت پٹے ہوئے مہروں کی سی بنا دی گئی ہے۔ جنرل صاحب! اس ملک کو، اس کی معیشت کو، اس کے تعلیمی شعبے کو اور اس کے انتظامی محکموں کو قادیانی شاطروں کے رحم وکرم پر نہیں چھوڑا جا سکتا۔ نہ ایسا کبھی ہونے دیا گیا، نہ آئندہ ایسا ہوگا۔ کاش! آپ اس حقیقت سے، حالات کی ''زبانی'' واقف ہونے کی بجائے، ملکی تاریخ کے پچاس سالہ واقعات کی ''زبانی'' واقف ہو جائیں۔ کیا جنرل صاحب کے عسکری پشتیبانوں، عدالتی مہربانوں اور انتظامی دربانوں میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں جو انہیں بتلا سکے کہ ''محمد کی غلامی دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے'' اور..... دین کے غداروں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے غداروں کی تاز برداری، ملک کی غداری سے کہیں بڑھ کر بھیانک جرم ہے۔ ایک ایسا جرم، جس کی سزا جلد یا بدیر مل کے رہتی ہے۔

جنرل مشرف کا دورۂ بھارت گزشتہ ماہ صدر مملکت جنرل مشرف نے بھارت کا طوفانی دورہ کیا۔ بھارت جانے سے پہلے وہ ملکی اور غیر ملکی ذرائع ابلاغ کا اہم ترین موضوع بنے رہے۔ اداریوں، کالموں، تجزیوں اور خبروں پر چھائے رہے۔ لیکن آنے کے بعد منظر یکسر تبدیل ہو گیا۔ انہوں نے بھارت پہنچ کر، مسئلہ کشمیر کو جس طرح اپنی جارحانہ گفتگو کا مرکز ومحور بنایا، اس کے نتیجے میں پزیرائی اور تحسین فطری امر تھا۔ عوام نے ان کی گفتگو کے نتیجے میں جو امیدیں اور آرزوئیں ان سے وابستہ کی تھیں، مذاکرات کی ناکامی نے ان پر پانی پھیر دیا اور ملک کی سیاسی وقومی فضاء پر پھر مایوسیوں کے بادل چھا گئے۔ ہم نے گزشتہ شمارے میں بھی عرض کیا تھا کہ مذاکرات کے بے نتیجہ ہونے کے قوی امکانات ہیں۔ سو وہی ہوا، جس کا خدشہ تھا۔

بھارت مسئلہ کشمیر پر اپنی رائے کے علاوہ کوئی دوسری بات ماننا تو درکنار سننا بھی گوارا نہیں کرتا..... وہی ''اٹوٹ انگ'' کا دیا کھیان اور بھاشن۔ میڈیا نے جنرل صاحب کو ہیرو اور فاتح بنایا جبکہ عوام نے متاثر ہو کر انہیں ایک جری اور بہادر انسان قرار دیا..... مگر دن گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کے جذبات سرد ہوتے گئے اور ان پر حزن ویاس کی اوس پڑتی چلی گئی۔ جرنیلی سیاست کے بعض باریک بین تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ خلق خدا کے خوف اور سیاسی جماعتوں کی حکومت مخالف تحریک کو ناکام بنانے کیلئے مذاکرات کو ناکام بنا دیا گیا۔

ہماری سوچی سمجھی رائے ہے کہ بھارتی حکمران ہٹ دھرم ہیں۔ وہ مسئلہ کشمیر پر پاکستانی مؤقف کو تسلیم نہیں کریں گے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ بھارت اور پاکستان میں بقائے باہمی کی بنیاد پر تمام معاملات طے ہونے چاہئیں۔ تجارت ومعیشت کو تحفظ اور فروغ ملنا چاہئے مگر ثقافت کا تبادلہ نہیں ہونا چاہئے۔

جنرل صاحب کے دورۂ بھارت کا سیاہ ترین پہلو یہ ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کے بعد پہلی مرتبہ کسی پاکستانی حکمران کی بیوی نے دوسرے ملک کے حکمران کے لیے ''جام صحت'' تجویز کیا۔ بھارتی صدر اور وزیراعظم دونوں کے ساتھ بیگم صبا مشرف نے جام ٹکرائے، انٹرنیٹ اور اخبارات پر لاکھوں عوام نے اس بے ہودہ کافرانہ ثقافتی رسم کا مظاہرہ کیا۔ یہ کھلی دعوت گناہ ہے۔ نصرت بھٹو نے امریکی صدر فورڈ کے لیے جام صحت تجویز کیا تھا اور ان کے ساتھ رقص بھی کیا، نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ اس تازہ ''صہبائی خیر سگالی'' کا کچھ نتیجہ تو سامنے آچکا اور باقی جلد ظاہر ہو جائے گا۔

مولانا محمد اعظم طارق کو رہا کیا جائے

سپاہ صحابہ پاکستان کے صدر مولانا محمد اعظم طارق گزشتہ کئی ماہ سے نظر بند ہیں۔ ہائی کورٹ نے ان کی رہائی کا حکم بھی دیا مگر حکومت ہے کہ انہیں قید رکھنے پر ہی مصر ہے۔ ایک مقدمہ میں ضمانت ہوتی ہے تو دوسرے مقدمہ میں گرفتاری ڈال کر واپس جیل بھیج دیا جاتا ہے۔ مجلس احرار اسلام کے امیر حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری نے حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ مولانا محمد اعظم طارق کو قیام امن کے لئے رہا کر دیا جائے وہ ایک بادر اور امن پسند دینی رہنما ہیں ان کی رہائی سے پاکستان میں یقیناً امن وآشتی کی فضا پیدا ہوگی حکومت ناجائز مقدمات ختم کر کے مولانا کو فی الفور رہا کرے۔

محمد مروان کی ولادت

مجدد احرار جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری کی برپا کردہ تحریک تجدید اسماء صحابہؓ سے متاثر ہو کر پاکستان کے ہزاروں مسلمانوں نے اپنے بچوں اور بچیوں کے نام صحابہ کرامؓ کے ناموں پر رکھے ہیں حضرت کی برپا کردہ تحریک جاری ہے اور اس کا ثواب ان کیلئے صدقۂ جاریہ ہے۔

یکم ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ، ۲۲ جون ۲۰۰۱ء کو احمد پور شرقیہ میں ہمارے مخلص رفیق فکر حافظ عبدالمجید صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بیٹا عطا فرمایا ہے جس کا نام مروان رکھا گیا ہے اس سے قبل انہوں نے اپنے تین بیٹوں کے نام محمد معاویہ، محمد مغیرہ اور محمد حنظلہ رکھے ہیں۔

ادارہ محترم حافظ صاحب کو مبارک باد پیش کرتے ہیں اور بیٹوں کیلئے عمر میں برکت وعلم نافع کی دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلائے، دین اسلام کی خدمت کیلئے قبول فرمائے اور اسلام کا سچا سپاہی بنا کر والدین کی مغفرت کا ذریعہ بنائے آمین۔ (ادارہ)

دعاء صحت

ہمارے دیرینہ کرم فرما محترم ابوسفیان محمد اشرف نائب (حاصل پور) گزشتہ دنوں ایک حادثہ میں شدید زخمی ہو گئے۔

ادارہ ان کی صحت یابی کیلئے دعا گو ہیں اللہ تعالیٰ انہیں جلد شفا، کاملہ عطا فرمائے (آمین) قارئین سے دعائے صحت کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

کاشف گیلانی

نعت

بستے ہیں دو عالم سلطان کے مدینے میں
رونق ہے لگی رہتی ہر آن مدینے میں
محبوب کی بستی ہے اس میں ہے کشش اتنی
دل کرتا ہے رہ جائے انسان مدینے میں
دل نور بصیرت سے ہوتے ہیں وہاں روشن
اللہ کی ہوتی ہے پہچان مدینے میں
اس عالمِ مستی میں ہستی کی نفی دیکھی
ہر چیز پہ غالب تھا وجدان مدینے میں
آنکھوں سے کوئی دیکھے دل سے کوئی پہچانے
بکھرے ہیں وہ راحت کے سامان مدینے میں
کاشفؔ تھا مرے دل میں ارمان مدینے کا
نکلا ہے میرے دل کا ارمان مدینے میں

انجم نیازی

سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وہ آدھی دنیا کا حکمراں تھا وہ حکمراں بھی مگر کہاں تھا
بپھرتی موجوں پہ حق پرستوں کی سادہ کشتی کا بادباں تھا
بڑا مبارک ہے کام اس کا ستاروں جیسا مقام اس کا
وہ ایک شاہیں صفت مجاہد جو سوئے منزل رواں دواں تھا
بڑے بڑوں کو گرانے والا گرے ہوؤں کو اٹھانے والا
وہ رہبروں کا تھا نیک رہبر وہ پاسبانوں کا پاسباں تھا
ابھرتے سورج سے تاج مانگا سمندوں سے خراج مانگا
کسے خبر ہے کہ اس کا سکہ جہاں میں جاری کہاں کہاں تھا
وہ نیک سیرت حیا کی خاطر لڑا ہمیشہ خدا کی خاطر
وہ دیکھنے میں تھا ایک لیکن حقیقتوں میں وہ کارواں تھا
قلندرانہ حیات اس کی سکندرانہ صفات اس کی
کبھی ردا تھا وہ مفلسوں کی کبھی وہ ریشم کا سائباں تھا
وہ ایک عنواں بشارتوں کا بصیرتوں کا بصارتوں کا
اسی سے رستے تلاش کرنا وہ دین فطرت کی کہکشاں تھا
مورخانہ بیان توبہ منافقانہ زبان توبہ!!!
وہ اس گھڑی بھی چمک رہا تھا جہاں جب یہ دھواں دھواں تھا
حسنؓ سے پوچھو علیؓ سے پوچھو تم اس کے بارے نبی سے پوچھو
اندھیری شب میں چراغ بن کر وہ ساری دنیا میں ضوفشاں تھا
شبہنشہوں پہ تھا رعب طاری کہ انجم اس کی تھی ضرب کاری
ہر ایک ظالم سمٹ رہا تھا جدھر جدھر تھا جہاں جہاں تھا

پروفیسر محمد اکرام تائب

غریب مزدور بچے

کھیل سے پہلے ہی بازی میں یہ ہارے بچے
یہ مرے غربت وافلاس کے مارے بچے
ماں کی آغوش میں سونا تھا ابھی توان کو
بیچنے گھر سے جو نکلے ہیں غبارے بچے
اور جس چوک میں آتی ہے یہ خونی آندھی
ہاں! وہیں سے تو گزرتے ہیں یہ پیارے بچے
تن پہ کپڑا ہے نہ پاؤں میں کسی کے جوتا
جیسے ہمسائے سے مانگے ہوں ادھارے بچے
بھوک نے سب کو سکھایا ہے سبق جینے کا
وقت سے پہلے جواں ہو گئے سارے بچے
رات تھک ہار کے فٹ پاتھ پہ سوجاتے ہیں
لالہ و گل سے حسیں، چاند، ستارے بچے
ڈگمگاتے ہوئے پھرتے ہیں جوانی میں ابھی
عمر کانٹیں گے بھلا کس کے سہارے بچے؟
اے خدا! جبر کے پھندوں میں گرفتار ہیں وہ
عرش سے تونے زمیں پر جو اتارے بچے
ہر گھڑی سوچتا رہتا ہوں یہی اے تائبؔ
جانے کس حال میں کل ہوں گے ہمارے بچے

○

الیکشن مہم

بڑی مدت سے روٹھوں کو منانے یار آئے ہیں
گلے سے آج پھر ہم کو لگانے یار آئے ہیں
بڑی ہی گرمجوشی سے بلا کر اپنے ڈیرے پر
ہمیں اک بار پھر چائے پلانے یار آئے ہیں
کئے تھے اس نے جو وعدے یہاں پچھلے الیکشن پر
وہ سارے یاد ہیں ہم کو، بھلانے یار آئے ہیں
مری بیوی جو کب سے روٹھ کر بیٹھی تھی میکے میں
اسے بھی ساتھ اب لے کر، پرانے یار آئے ہیں
پڑے گی پھوٹ گھر میں، بنیں گے دشمنِ جاں سب
ہماری راہ میں کانٹے بچھانے یار آئے ہیں
بڑے ہی رازداں بن کر وہ سب امیدواروں کے
بٹیرے، مرغ، تیتر، اب اڑانے یار آئے ہیں
تمہارے تھے، تمہارے ہیں، تمہارے ہی رہیں گے ہم
خزاں کے دور میں پھر گل کھلانے یار آئے ہیں
تمہارے واسطے تارے فلک سے توڑ لائیں گے
فسانے پھر نئے تائبؔ سنانے یار آئے ہیں

یہ نظم حالیہ بلدیاتی انتخابی مہم کے تناظر میں ہے۔ اگرچہ انتخابی عمل قریباً مکمل ہو چکا ہے لیکن شہر و ضلع کے ناظمین کی انتخابی مہم زوروں پر ہے، اس حوالے سے نظم تروتازہ ہے (ادارہ)

سید یونس الحسنی

عالی جی! ایں چہ گفتی؟

۸ مئی ۲۰۰۱ء کے ''روزنامہ خبریں'' لاہور میں ایک خبر شائع ہوئی جو خصوصی نوعیت کے باعث راقم کے دل میں ترازو ہوگئی۔ یہ کراچی میں منعقدہ علامہ اقبال سیمینار میں ممتاز شاعر وادیب جناب جمیل الدین عالی کی گفتگو پر مبنی ہے۔

''کراچی (رپورٹ جمیل صدیقی) ممتاز شاعر جمیل الدین عالی نے دعویٰ کیا ہے کہ علامہ اقبال کی جانب سے قائداعظم محمد علی جناح کے خلاف طنزیہ شاعری کرنے کا ریکارڈ موجود ہے۔ جبکہ انہیں مفکر اسلام کا لقب دینا صحیح نہیں ہے۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے علامہ اقبال پر قومی سیمینار سے خطاب کے دوران کیا۔ انہوں نے تجویز پیش کی کہ اقبال کے انتقال کے ۵۵ سال کے بعد اب ان کی شخصیت کو بت بنا کر پوجنے کے بجائے ان کے کردار کا از سر نو تعین ہونا چاہیے جبکہ ان کی سیاسی فکر اور بصیرت پر بہت سوالوں کے جواب تشنہ ہیں۔ انکی مجموعی شاعری کا بلند ترین مقام ہے لیکن میں عمر کے اس حصے میں انہیں مفکر اسلام کا درجہ نہیں دے سکتا۔ ان کی نوجوانی کسی اور نوجوان کی طرح عشق کی رنگینی سے بھرپور تھی جبکہ بچپن کی شادی ہونے کے باوجود ۲۷ سالہ گریل جوان بغیر عشق کیونکر رہ سکتا ہے۔ جبکہ اس پر ستم بالائے ستم یہ کہ اعلیٰ تعلیم کیلئے ایسے بونہار لڑکے کو جرمنی بھیج دیا گیا ہو۔ علامہ اقبال کے دیار غیر میں عشق کے علاوہ کراچی کی محبوبہ عطیہ فیضی سے عشق کی داستانیں ریکارڈ پر موجود ہیں۔ جبکہ انکی شاعری علم وتفکر کے علاوہ جمی ہوئی عشقیہ شاعری تھی۔ خطبہ الٰہ آباد میں مشرقی پاکستان کو چھوڑ کر مغربی پاکستان کے مسلمانوں کیلئے خود مختار ریاست کے مطالبہ پر تبصرہ کرتے عالی صاحب نے کہا یہ دراصل پنجاب کی ان علاقوں پر بالادستی قائم کرنے کی پہلی کوشش تھی۔ جب فرزند اقبال سے اپنے والد کے نام پر کمانے کے باوجود ان الزامات کی تردید نہ کرنے پر باز پرس کی گئی تو جاوید نے خاموش رہنے کی التجا کی۔ انہوں نے الزام لگایا کہ علامہ اقبال کی پہلی بیگم کے سسرالی عزیز مشفق خواجہ نے اقبال کی سوانح حیات کے کچھ واقعات شائع کر کے انجمن ترقی اردو کے حوالے کیے ہیں۔ جبکہ ان میں سے اکثر کو اقبال نے اپنی زندگی میں تلف کرنے کی ہدایت کی تھی۔ مسجد وزیر خاں کے امام نے علامہ پر کفر کا فتویٰ بھی لگایا تھا''

اس بیان کا نکتہ اول ہے کہ علامہ نے قائداعظم کے خلاف طنزیہ شاعری کی۔ گزارش ہے کہ گزشتہ صدی کی تاریخ برصغیر میں ایسے کئی موڑ آئے، جب اصول شخصیات، ضمیر اور قلم باہم دست وگریباں ہوئے۔ اس حادثے نے تدبر تفکر کے بہت سے متقفل دروا کیے، نئے اسالیب سیاست نے نمود پکڑی، انوکھے ضوابط نے جنم لیا، بعض خفی وجلی گرہیں کھلیں، نتیجتاً متصادم رہنما بسا اوقات گلے ملتے اور ایک دوسرے کے محرم راز بنتے نظر آنے لگے۔ سر پھٹول ختم اور تھوکا فضیحتی دم توڑ گئی۔ یہ کیفیات کیوں رونما نہ ہوتیں آخر کو یہ سب اذہان تھے، کہ خطا کا عنصر غالب جس کی سرشت میں ہے۔ اقبال اپنی رائے رکھتے تھے۔ انہوں جذب وجنوں کی حدت وحمیت کے تحت جس بات کو غلط سمجھا اس پر تنقید کی، جس شخصیت کو مسلمات سے گریز کرتے دیکھا اس پر شدید گرفت کی۔ ان کی یہ عظمت بھی ہے کہ نقد وجرح یا گرفت میں کوئی غلط فہمی کارفرما ہوئی یا کر دی گئی تو حقیقت حال سے آگاہ ہونے پر متعلقہ شخصیت سے نہ صرف معذرت ہی کرتے بلکہ اپنے تنقید

کی موت یا شعر سے کلیتاً دست برداری کا اعلان بھی کر دیتے ۔قائد کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے۔ دسمبر ۱۹۲۰ء کے آخری ہفتے میں کانگریس کے اجلاس ناگ پور میں مسٹر جناح کی مخالفت کے باوجود، انگریزوں سے ترک موالات کی قرارداد منظور ہوگئی تو وہ مجبوراً لندن چلے گئے قریباً (۸) آٹھ ماہ کے بعد لوٹے تو اکتوبر ۱۹۲۱ء میں بمبئی سے اعلان کیا۔ ''لیگ کو پھر زندہ کر دینا چاہیئے'' ۔اس بیان سے برہم ہوکر علامہ نے تنقیدی قطعات اور نظمیں کہیں، جو وقت کے تمام اخبارات میں شائع ہوئیں۔

حکیم فضل الرحمٰن سواتی کا ایک مضمون ماہنامہ ''برھان'' دہلی کے شمارہ اگست ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا، جس میں اقبال کی انہی تنقیدی جراحتوں کا احاطہ کیا گیا تھا، لکھتے ہیں۔

''میں نے علامہ اقبال کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ کلام تو بہت اچھا تھا لیکن جناح صاحب پر اس قدر تنقید غیر مناسب ہے، میں بھی ان کا مخالف ہوں، لیکن انہوں نے ۱۹۱۸ء میں ہندوستانی اصلاحات کے معاملہ میں لارڈ ولنگٹن کی مخالفت کر کے اسے دشمن ہند قرار دیا اور اپنی اہلیہ سمیت کالی جھنڈیوں سے اس کا استقبال کیا۔ غیر قوم میں سے کسی نے یہ جرأت نہیں کی۔لہٰذا میں آپ کی خدمت میں باادب التماس کرتا ہوں کہ از راہ کرم اس کلام کو اپنے مجموعہ اشعار سے خارج کر دیجیے گا۔دو ہفتے کے بعد جناب ڈاکٹر اقبال کا نوازش نامہ موصول ہوا، جس میں تحریر تھا'' میں نے واقعی جوش میں آ کر تنقیدی اشعار لکھ دیئے ہیں، لیکن آپ کے خط نے میرے جوش کو فرو کر دیا ہے کہ آپ نے بروقت مجھے متنبہ کر دیا، اطمینان رکھیے، میں نے ان اشعار کو اپنے مجموعہ کلام سے خارج کر دیا ہے۔'' شاعر مشرق نے اپنی کسی خاص کیفیت کے زیر اثر جو اشعار بھی جناح صاحب کے خلاف کہے، اب وہ ان کے کلام کا حصہ ہرگز نہیں رہے، ان کا ریکارڈ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

ایک اور مثال دیکھئے۔ ''مثنوی اسرار خودی'' پہلی بار ۱۹۱۶ء میں شائع ہوئی۔ اسکی ایک طویل نظم حافظ شیرازی کی خدمت میں تھی۔لندن سے مشیر حسین قدوائی نے اقبال کو خط لکھا'' کتاب بہت بہتر ہے لیکن خواجہ صاحب پر اس طرح کی تنقید درست نہیں'' ۔ انکے استدلال سے متاثر ہوکر علامہ اقبال نے فرمایا'' جب لوگ پسند نہیں کرتے تو آئندہ ایڈیشن سے ان اشعار کو خارج کر دوں گا'' چنانچہ انہوں نے ایسا کیا اور وہ اشعار اپنی قیمت کھو بیٹھے۔ایک تیسری تنقید اپنی کاٹ میں لاجواب بھی ہے اور قابل نظارہ بھی۔ ۱۹۳۸ء کے اوائل کا ذکر ہے۔ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ نے ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے یورپ کا فلسفہ وطنیت وقومیت بیان کیا کہ اہل مغرب کے نزدیک آج کل اقوام وطن سے بنتی ہیں، مذہب سے نہیں بنتیں۔اخبار ''الامان'' (دہلی) کے نامہ نگار نے رپورٹ مرتب کر کے مولوی مظہر الدین شیرکوٹی کو سنائی۔ وہ حضرت مدنیؒ کے شدید مخالف تھے۔انہیں شرارت سوجھی۔ اقبال اسی روز لاھور سے دہلی آئے تھے۔ مولوی صاحب جھٹ ان کے پاس جا پہنچے اور یہ کذب بیانی کہ'' رات جلسہ میں مولانا مدنی نے کہا ہے ملتیں وطن سے بنتی ہیں مذہب سے نہیں''۔ چونکہ یہ بات علامہ کے نظریئے کے خلاف تھی، ان کی رگ غیرت پھڑک اٹھی۔بغیر تحقیق کیے، تقاضائے بشریت کے تحت یہ

خطا کر بیٹھے کہ مولانا مدنی کے خلاف انتہائی تیز دھار نظم کہہ ڈالی جو ۳ فروری ۱۹۳۸ء کے ''زمیندار'' ''احسان'' اور ''انقلاب'' میں شائع ہوئی۔ یہ نظم مولانا مدنیؒ نے دیکھی تو اخبارات کو بیان جاری کیا، کہ'' میں نے دوران تقریر ملت نہیں قوم کا لفظ استعمال کیا نیز یہ کہ میں نے مغربی نظریہ قومیت پر بات کی تھی۔'' مولانا کا یہ بیان اخبارات میں چھپا تو ایک طرف تو علامہ طالوت نے اقبال اور حضرت مدنیؒ کے ساتھ خط و کتابت شروع کر دی، دوسری طرف وقت کے نام ور شاعر اقبال احمد سہیل نے جوابی نظم بزبان فارسی کہہ کر اخبارات میں شائع کر دی۔ علامہ طالوت کا خط، اخبارات میں مولانا کا بیان اور اقبال سہیل کی نظم جب علامہ اقبال کی نظر سے گزرے تو حقیقت حال منکشف ہوئی۔ علامہ نے فوری طور پر ۵ مارچ ۱۹۳۸ء کے اخبار ''مدینہ'' بجنور میں بیان شائع کرایا کہ:۔

''واقعی مجھ سے غلطی ہوئی ہے، مجھے غلط خبر پہنچی تھی جسکی وجہ سے میں نے برافروختہ ہو کر ان پر سخت تنقید کی۔ اب اصل حقیقت مجھ پر منکشف ہوگئی ہے اس لئے میں مولانا مدنی سے خواستگار معافی ہوں۔ امید ہے کہ مولانا صاحب مجھے معاف فرمائیں گے''۔

انصاف کیجئے گا، علامہ نے حضرت مدنیؒ سے معذرت کر لی تو ان اشعار کی کیا وقعت رہ گئی ہے؟ لیکن اقبال کے آخری مجموعہ کلام ''ارمغان حجاز'' کے بد دیانت اشاعت کنندگان نے علماء پر زبان طعن و تشنیع دراز رکھنے کے لئے وہ اشعار جن پر علامہ سخت نادم تھے، شامل کتاب کر دیئے، جو آج تک بالالتزام شائع ہو رہے ہیں۔ ایسے وقتی تصادموں کا ریکارڈ رکھنا، منہ پر کالک ملنے کے مترادف ہے۔ اس لئے جناح صاحب کے متعلق کہے گئے طنزیہ یا تنقیدی اشعار بالکل بے حیثیت ہو چکے۔ وہ ساکھ کے اعتبار سے کھوٹا سکہ ہو کر رہ گئے ہیں۔ جناب جمیل الدین عالی! آپ نے یہ کیسے فرض کر لیا، ہم علم بردارانِ توحید ہوتے ہوئے کوئی بت پوجتے ہیں۔ ملک بھر میں کہیں بھی ان کا بت نظر آئے گا نہ کوئی پجاری دکھائی دے گا۔ لے دے کے ان کا مزار ہے جس پر ہم فقیر کبھی کبھار دعائے مغفرت کرنے چلے جاتے ہیں۔ رہی بات ان کے کردار کا از سر نو جائزہ لینے کی، تو التماس ہے کہ آپ اپنے سوالات سامنے لائیے، کردار کا تجزیہ خود بخود ہوتا جائے گا، اور آپ کی تشنگی بھی کم ہو جائے گی۔ محترم، آپ مختلف تضادات کا شکار ہیں۔ اقبال کی مجموعی شاعری کو بلند مقام بھی تسلیم کرتے ہیں لیکن اپنی حیات مستعار کے اس حصے میں انہیں مفکر اسلام کا درجہ دینے سے انکاری ہیں۔ یاد کیجیے! ان کی شاعری اسلامی روح اور فلسفے کا حسین امتزاج ہے، یہی مرکب توصیفی اس کے بلند مقام ہونے کی دلیل محکم بھی ہے۔ علاوہ بریں ''اسلام میں تشکیل الٰہیاتِ جدید Reconstruction of Religious Thought in Islam''۔ علامہ کے مدراس اور علی گڑھ میں دیئے کل چھے لیکچرز کا مجموعہ آپکی تشفی کے لئے کافی ہے۔ بار دگر، بر نظر تعمق مطالعہ کیجئے، اقبال کی قدآوری ظاہر ہو جائے گی۔ آپ انہیں بیسویں صدی کا عظیم مفکر اسلام تسلیم کر لیں گے مگر اس میں زبردستی نہیں۔ کسی کے خاندانی حالات

میں غلط اطلاعات کی بنیاد پر مداخلت نادرست عمل ہے، ویسے اقبال کی نوجوانی بھی اعلیٰ تھی۔ کچھ لوگوں نے بے پر کی اڑائی اور وہ چھینٹے آج تک اڑ رہے ہیں۔

خطبہ الہ آباد میں پنجاب کی بالادستی کی کوشش کہیں نظر نہیں آتی، یہ دور کی کوڑی آپ کہاں سے نکال لائے ہیں؟ تعصب کی عینک اتار کر دیکھیے گا۔ البتہ فرزندِ اقبال کی حاشیٰ تعجب خیز۔ ان کی طرف سے جواب آنا چاہیے کہ لوگوں کو تاریخی صداقتوں کا علم ہو سکے۔ مشفق خواجہ کے پیش کردہ واقعات کو اقبال اگر اپنی زندگی ہی میں تلف کر چکے ہیں تو ان پر گفتگو کرنا، پرلے درجے کی بے اصولی ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے جناب جناح صاحب، حافظ شیرازی اور حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ پر تنقیدی نظمیں پڑھنا یا چھاپنا بے حیائی ہے۔ یہ سب اذکار رفتہ ہو چکی ہیں۔ ان کی بنیاد پر کسی کے کردار اور قد کاٹھ کی پرکھ پڑچول اور پیمائش نہیں کی جا سکتی۔ عالی جی! ایں چہ گفتی؟ کبھی آپ نے بھی تو کہا تھا نا۔

''دین ہمارا دین مکمل
استعمار ہے باطل ارزل
عند اللہ . . . . . اللہ اکبر
ہم مصطفوی ، مصطفوی، مصطفوی ہیں''

اور اتنی سی بات پر ہم نے آپ کو بھی شاعر اسلام مان لیا تھا، مگر آپ نے تو حد کر دی۔ اقبال کے ذخیروں ڈھیر عظیم ترین کلام کا جھٹکا ہی نہیں مُسلہ کرنے کی کوشش کی، جس پر ہم افسوس کا اظہار ہی کر سکتے ہیں۔ کبھی قادیانی ایسی الزام تراشیاں کیا کرتے تھے۔ کہیں آپ بھی ان سے متاثر تو نہیں ہو گئے؟

یہ فتویٰ بازی کا معاملہ بھی بڑا عجیب ہے۔ بعض رنگین نواؤں نے اس شغل میں مہارت تامہ حاصل کر رکھی تھیں۔ ان کی تمام تر صلاحیتیں اسی کام کے لئے وقف تھیں۔ مرکزی انجمن حزب الاحناف کے فاضلین مولانا اولادِ رسول قادری برکاتی، مولانا محمد طیب، مولانا سید آلِ مصطفیٰ، مولوی حشمت علی خاں، مولانا ابوالبرکات محمد احمد قادری، مولانا چراغ دین قادری، وغیرہم نے فتوے جاری کیے کہ جناب محمد علی جناح اور علامہ اقبال کافر و بدمذہب ہیں ان کی تقلید قطعی حرام ہے۔ مفتی احمد یار خاں نعیمی کے بیٹے مفتی اقتدار احمد خاں نعیمی نے چند سال پیش تر ایک کتاب شائع کی، جس میں علامہ اقبال کی شدت سے تکفیر کی گئی تھی (العیاذ باللہ)۔ برصغیر کے کسی جید اور روشن خیال عالم دین نے ان مفتی صاحبان کی قطعاً تائید نہیں کی۔ جس کے منطقی نتیجے کے طور پر، یہ ناگفتہ بہ فتوے زندہ درگور ہو گئے، لیکن اقبال اپنے پورے طمطراق کے ساتھ زندہ جاوید ہے۔

محمد عمر فاروق

لہو کی پکار

غریب ہونا جرم نہیں لیکن غربت کی سزا بڑی کڑی ہوتی ہے۔ جہاں دولت اور جاگیر کے بل بوتے پر وحشت و درندگی کے ناٹک کھیلے جاتے ہوں، وہاں غربت اور شرافت ناکردہ گناہوں میں شمار ہوتے ہیں۔ سفاک درندوں کے جبر وقہر کے آگے عزت و عصمت کا تقدس خاک میں مل جانا جہاں روز کا معمول ہو اور انسان کی زندگی کتے سے بھی بدتر سمجھی جاتی ہو، وہاں رحم اور خدا خوفی اپنے معنی و مفہوم کھو دیتے ہیں۔ خدا کی زمین پر خدائی کے دعویدار فرعونوں اور نمرودوں کو جب کوئی باختیار قوت کھل کھیلنے سے نہ روکے تو پھر نہ مخلوق خدا کی زندگی محفوظ رہتی ہے اور نہ ہی ان کی عزتیں پامال ہونے سے بچ سکتی ہیں۔ جاگیردارانہ مظالم کی زندہ مثالیں سندھ کے ہاریوں اور سرائیکی بیلٹ کے مظلوم خاندانوں، بلوچی و سرحدی سرداروں اور خوانین کے ستم رسیدہ کسانوں اور پنجابی وڈیروں کے پشتینی خدمت گزاروں کی صورت میں دیکھی جاسکتی ہیں

دوسری طرف غربت کے جرم میں غریبوں کی زندگیاں علاقائی سیاسی جتھے بازوں کے جوتوں کے تسمے کے ساتھ بندھی ہوئی ہیں۔ غریبوں کے بے جان جسموں پر سیاست کی دوکان چمکانے والے ظالم سیاستدانوں نے اپنے پالتوؤں کے ذریعے سے غریبوں کی عزت و ناموس پامال کرنے کو پیشہ بنا رکھا ہے۔ غریب جائے تو کہاں جائے؟ وہ مصائب بھرے ماحول میں آنکھ کھولتا ہے۔ جیتا ہے تو دکھ جھیلتا ہے اور مرتا ہے تو عذابوں کے پہاڑ اس کی نسلوں کی پشت پر لد جاتے ہیں۔ ستم زدگان کی روح فرسا داستانیں روز اخبارات کی زینت بنتی ہیں۔ مگر مجال ہے کہ حکومتی اہلکاروں کے جذبات ان سے متاثر ہو پائیں۔ جذبات تب ہی اثر قبول کرتے ہیں کہ جب سینے میں انسانی ہمدردی کا کوئی گوشہ موجود ہو۔ لیکن بے حسی اور لاپروائی نے ارباب اختیار کے دلوں کو پتھر سے بھی کہیں زیادہ سخت کر ڈالا ہے اور پتھر کبھی احساس کی صلاحیت سے بہرہ ور نہیں ہوا کرتے۔ الٹا وہ تکلیف و آزار کا باعث ہی بنا کرتے ہیں۔ کبھی سنگ باری کی شکل میں اور کبھی سنگ گراں کی صورت میں۔

ضلع شیخوپورہ کے ایک گاؤں کی سولہ سالہ حافظ قرآن بچی عاصمہ، جس نے عزت بچانے کے لیے اپنے آپ کو بلاک کر ڈالا۔ اس کی دردناک کہانی روزنامہ ''پاکستان'' کے صفحات پر تفصیلاً شائع ہوئی ہے۔ جس کے مطابق حافظ عاصمہ رفیق آٹھویں جماعت کی طالبہ تھی۔ اس کا والد کینسر میں مبتلا ہو کر لاہور کے ایک ہسپتال میں داخل تھا۔ اور وہ گھر میں تنہا تھی۔ کہ گاؤں کا ایک بدمعاش گھر میں گھس آیا اور اس معصومہ کی عزت لوٹنے کی کوشش کی۔ لیکن اس باغیرت و باحیا بچی نے کوئی راہ نہ پا کر اپنے آپ کو آگ لگالی۔ انتہائی تشویشناک حالت میں اسے الائیڈ ہسپتال فیصل آباد لایا گیا۔ جہاں اس کی غربت

اور مجرموں کا اثر ورسوخ آڑے آیا۔ وہ ڈاکٹروں کی بے توجہی اور مناسب علاج معالجہ اور مناسب غذا نہ ملنے سے موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہوگئی۔ ۱۷۔ فروری ۲۰۰۱ء کو عاصمہ نے ایک خط کے ذریعے جنرل پرویز مشرف اور چیف جسٹس سمیت تمام اعلیٰ حکومتی شخصیات سے انصاف کی اپیل کی، مگر لاحاصل؟ آخر ۲۰ فروری ۲۰۰۱ء کو انصاف کا راستہ تکتے تکتے اس نے جان کی بازی ہار دی۔ بعد ازاں اس واقعہ پر کینیڈا میں مقیم ایک دردمند پاکستانی نے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کے نام ایک خط لکھا، جس پر چیف جسٹس نے ازخود کارروائی کرتے ہوئے غفلت کے مرتکب حکام کے خلاف کارروائی کا حکم جاری کر دیا ہے۔ جبکہ ایڈووکیٹ جنرل پنجاب سے ذاتی طور پر عدالت میں حاضر ہونے کا حکم دینے کے ساتھ ساتھ ایس پی شیخوپورہ سے یہ جواب طلب کیا ہے کہ مرحومہ کی عزت پر حملہ آور ہونے والے ملزم کے خلاف اب تک کیا کارروائی کی گئی ہے؟ عدالت کا بے آسرا بچی کی ہلاکت پر ازخود نوٹس لینا انتہائی قابل داد قدم ہے۔ اور متعلقہ حکام سے جواب طلب کرنا ہر لحاظ سے بجا ہے۔ کیونکہ اگر مقامی عملہ اپنے فرائض ٹھیک ٹھیک ادا کرتا تو ملزم ضرور اپنی سزا کو پہنچتے۔ اور اگر ڈاکٹر انسانیت کے ناطے علاج سے غفلت نہ برتتے تو ایک قیمتی جان کے بچ جانے کی امید کی جا سکتی تھی۔ لیکن یہاں کون سا شعبہ زندگی ایسا ہے کہ جس کے متعلق یقین کیا جا سکے کہ وہ کسی اصول وضابطے کے تحت چل رہا ہے۔ کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام پیسے اور سفارش کے بغیر ہونا ممکن ہی نہیں ہے اور پھر سب سے بڑھ کر انسانی جان کا مسئلہ انتہائی خودغرضی اور مادی خواہشات کے شکنجے میں اس بری طرح آ چکا ہے کہ اب انسانی حقوق کی پاسدار پولیس کا محکمہ، انصاف مہیا کرنے کی ذمہ دار عدالتیں ہوں یا جان و مال کے تحفظ کی ذمہ دار حکومتیں، کہیں بھی غریب (انسان) کی شنوائی ممکن ہی کہاں ہے۔ جہاں دھن دولت معبود کا درجہ اختیار کر لیں اور اختیارات کی لامحدود یت بے گناہوں پر دن رات کوڑے کی طرح برستی ہو۔ وہاں امتیازی تفریق کے خاتمے اور عدل وانصاف کی توقع کوئی فاتر العقل ہی کر سکتا ہے۔

حافظ عاصمہ مرحومہ کا خون بے گناہی پکار پکار کر اس انسانیت کے قاتل اور مجرم نظام کی بہمیت کی گواہی دے رہا ہے۔ اے کاش کہ ہمارے حکمران جو عبوری آئین کے ذریعے اپنے شخصی اختیارات بڑھانے میں مصروف ہیں۔ وہ کبھی اپنے اختیارات کا رخ عوام کو کچلنے کی بجائے ملکی اداروں کی اصلاح کی جانب کر لیں۔ اگر ایسا ہو جائے تو پھر کسی بیٹی کو اپنی عزت کی حفاظت کے لیے خودسوزی کی ضرورت پیش آئے گی۔ اور نہ ہی کوئی بدمعاش کسی حوا زادی کو میلی نظروں سے دیکھ سکے گا۔ بند اخلق کی آواز پر کان دھرنے والے حکمران جسموں پر ہی نہیں دلوں پر بھی حکمرانی کرتے ہیں اور جو دلوں میں نہ اتر سکیں، انہیں دھرتی بھی پناہ نہیں دیتی۔ شہنشاہ ایران اور سکندر مرزا کی وطن بدری اور دربدری ابھی کل ہی کی بات ہے۔

''عبرت پکڑو، اگر تم آنکھیں رکھتے ہو'' (القرآن)

ملا معاویہ حنفی

وہی مرغی کی ایک ٹانگ

لیجئے صاحب وہی ہوا جس کا خدشہ تھا۔ اٹوٹ انگ، اٹوٹ انگ کی لمبی رٹ نے امیدوں، آرزوؤں اور امنگوں پر گھڑوں پانی ڈال دیا۔ دہلی کے مرغن اور مزیدار کھانے، لکھنؤ کی دل پسند مٹھائی، آگرے کا پرشکوہ حسن اپنی جگہ، مگر بھارتی قیادت اپنا خبث باطن نہ چھپا سکی، اور وہی مرغی کی ایک ٹانگ کی رٹ لگائے رکھی۔ ہم نے اسی وقت کہہ دیا تھا جب جسونت سنگھ نے مذاکرات سے پہلے، بہت پہلے پریس کانفرنس میں کہا تھا۔ ''کشمیر بھارت کا اٹوٹ انگ ہے'' کہ اس دعوت سے بھارت کچھ اور مقاصد حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق بھارتی قیادت کی پوری کوشش رہی ہے کہ بات چیت مخض کشمیر پر ہی نہ ہو، بلکہ، ان کی خواہش تو یہ تھی کہ اس مسئلہ کو سرے سے چھیڑا ہی نہ جائے، البتہ باہمی تجارت، ایٹمی معاملات، کراچی میں بھارت قونصل خانے کا اجراء اور چھوٹے موٹے دیگر امور پر ہی گفتگو ہو مگر جنرل مشرف اس لحاظ سے داد و تحسین کے لائق ہیں کہ انہوں نے فی الحال کشمیر کے علاقہ کسی اور موضوع پر بات کرنے سے انکار کر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دونوں ملکوں کے درمیان کشمیر ہی اصل ''مسئلہ'' ہے۔ اگر اسے حل کر لیا جاتا تو پھر دوسرے مسائل کے حل کے لئے بھی گفتگو ہو سکتی تھی، کشمیر کی وجہ سے نہ صرف دونوں ملکوں کے درمیان بھارتی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اب جنگ کا خطرہ بڑھ گیا ہے بلکہ جنوبی ایشیا کے پورے خطے کا امن بھی زد میں ہے۔ اس میں سراسر قصور ہندو بنئے کا ہے جس کے ضمیر و خمیر اور رگ و پے میں باہمی نفرت، توہین آدمیت، تنگ نظری، موقع پرستی، وعدہ خلافی، مکاری اور سازش رچی بسی ہے۔ بھارت اگر کشمیر کو مسئلہ اور تنازع ماننے کیلئے تیار نہیں تو پھر وہاں آٹھ لاکھ فوج کا ہے کو متعین کی ہوئی ہے؟ وہاں مسلمانوں کی زندگیاں اجیرن کیوں بنا دی گئی ہیں؟ پون لاکھ شہادتیں کیسے ہو گئیں؟ بھارت کی طرف سے حقوق انسانی کی اتنے بڑے پیمانے پر خلاف ورزیاں کیوں ہو رہی ہیں؟

جنرل مشرف نے آگرہ میں اخباری مدیروں کے سامنے بھارتی قیادت کے انتہاپسندانہ رویے کا جو ردعمل ظاہر کیا وہ ہر محب وطن پاکستانی کی آواز ہے۔ جنرل صاحب نے کہا ہے کہ ''دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات ٹھیک نہ ہونے کی وجہ کشمیر ہے، کنٹرول لائن پر لڑائی ہو رہی ہو تو ہم ایک دوسرے پر کیسے اعتماد کر سکتے ہیں۔ جب بھارت نے پاکستان کے خلاف لڑنے کیلئے مکتی باہنی کو تربیت دی اور سیاچن پر قبضہ کیا تو آپ سوچیں اس سے ہمیں کتنی تکلیف ہوئی تھی۔''

انہوں نے مزید یہ بھی کہا کہ ''بھارت اٹوٹ انگ کی بات کرے تو میں بھی نہر والی حویلی مانگ سکتا ہوں''۔

جنرل صاحب وطن واپس پہنچ چکے ہیں، ان سطور کے چھپنے تک خیال ہے کہ مذاکرات کے حوالے سے وہ قوم اور پریس کو ضرور آگاہ کریں گے کہ وہ کون سی ''نادیدہ قوتیں'' تھیں جو مذاکرات کی پیشرفت میں رکاوٹ بنتی رہیں۔ ہمیں تو اتنا کہنا ہے

کہ بھارت کی نیت کبھی بھی نیک نہیں رہی۔اس لئے جو کچھ ہوا وہ توقع کے کچھ زیادہ خلاف نہیں۔ پاکستان نے تو بھارت پر حجت تمام کردی۔ وہ مذاکرات سے بھاگا نہیں بلکہ بھارت نے پسپائی اختیار کی ہے.......... اصل بات یہی ہے کہ مسئلہ کشمیر کے حل کی چابی مجاہدین کے پاس ہے۔ان ''قراردادوں اور مذاق راتوں'' سے کوئی حل نہ نکلے گا۔ جہاد ہی واحد راستہ ہے جس کے ذریعے سے کوئی حل نکل سکتا ہے۔

بھارت چاہتا تھا کہ وہ ہمیں غربت کا بھوت دکھا کر تجارت کا ''لولی پوپ'' دے کر، ناچ گانوں، ٹھمکوں، بتوں اور ننگی تصویروں کی غلاظت اور، ہندوانہ ثقافت کے ذرائع ہمیں مات دے۔ ''اکھنڈ بھارت'' ان کا دیرینہ خواب ہے۔ ہندوؤں کے باپو گاندھی نے تقسیم برصغیر کے موقع پر کہا تھا کہ ''یہ (تقسیم) مقدس گائے کو دو نیم کرنے کے مترادف ہے، ایک وقت آئے گا کہ ہندوستان پھر متحد ہو جائے گا''۔ یہ نظریہ اور یہ خیال اب بھی بھارتی ذہنوں پر حاوی ہے۔ اسی مقصد کے لئے اس نے پاکستان کے ساتھ تین جنگیں لڑیں، جب وہ اس میں ناکام و نامراد رہا تو الیکٹرونک میڈیا کے ذریعے پاکستان پر ہندو ثقافت کی یلغار کردی تاکہ جنگ کے ذریعے نہیں تو اس میٹھی گولی کے ذریعے پاکستانی عوام کو اپنے قریب لائے تاکہ مسئلہ کشمیر ان کے نزدیک غیر اہم ہو کر رہ جائے۔

پاکستان کے لوگ الحمدللہ ایمان و یقین کی متاع رکھتے ہیں۔ وہ ابھی اتنے متزلزل اور بے حس نہیں ہوئے کہ مظلوم و مقہور کشمیریوں کی حمایت اور تعاون سے دست بردار ہو جائیں۔ واضح طور پر کہتے ہیں ہمیں نہیں چاہئے اس کا پان سگریٹ، مرچ مصالحہ۔ ہم کیسے بھول جائیں کہ بھارت نے کشمیر دبوچ رکھا ہے، اس نے جونا گڑھ اور حیدرآباد دکن پر قبضہ کرلیا، ہمارا مشرقی بازو ہم سے کاٹ دیا، سیاچن پر اپنی منحوس چہروں والی فوجیں بھیج دیں۔ بھارت کا ایک ایک مسلمان اس کی تنگ نظر پالیسی کے ہاتھوں کرب واذیت میں مبتلا ہے۔ کشمیر میں مسلمانوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم رکھنے کیلئے اس نے کیا کیا ظلم نہیں ڈھائے؟ اگر کسی کو نہیں معلوم تو مقبوضہ کشمیر میں کسی بوڑھی اماں کو روک کر پوچھئے کہ آپ کا معصوم بیٹا کیا ہوا؟ کسی بیوہ خاتون سے سوال کیجئے جس کا سہاگ اجڑ گیا...... ہاں ہاں !!! اگر اس ظلم کی تفصیل جاننے کی ہمت ہو تو کسی معصوم اور پھول سے بچے کو گود میں لے کر پوچھئے کہ تمہارا سر دست شفقت سے کیوں محروم ہو گیا؟

کشمیری مجاہدین جانتے ہیں کہ بھارت سیدھے طریقے سے راہ پر نہیں آئے گا بلکہ ''جہاد وقتال'' کے قانونِ الٰہی انفاذ کرنا پڑے گا۔ دل چاہتا ہے کہ خطۂ کشمیر کے عظیم فرزند حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ کا وہ قول فیصل نقل کروں انہوں نے جمعیت علماء ہند کے اجلاس پشاور میں خطبۂ صدارت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا۔ انہوں نے کہا تھا ''کسی مت سے آزادی عطا کئے جانے کی توقع ہرگز نہیں رکھنی چاہئے، اس لئے کہ آزادی عطا نہیں کی جاتی بلکہ وہ اپنی طاقت اور ہمت ،حاصل کی جاتی ہے۔''

بہر حال...... جنرل صاحب کا شکریہ کہ انہوں نے کشمیر کے شہیدوں کا لہو نہیں بیچا!

محمد عطاء اللہ صدیقی قسط(۱)

اسلام.... یا.... فکری ارتداد؟

سیکولر اور ملحد دانش بازوں کے بعض سوالات کا جائزہ

اس مضمون میں "فکری ارتداد" سے بحث کرتے ہوئے ایک جگہ فاضل مضمون نگار کہتے ہیں کہ "جناح کے تصور پاکستان" کے حوالے سے کوئی سا تضاد موجود نہیں رہا بلکہ یہ تضاد سیکولر ستوں کی تاویلوں سے ابھرا ہے۔ ہمارے نزدیک مسلم لیگ کی پالیسیوں میں دو رخاپن اور اس کی قیادت کے بیانات میں تضاد کا پایا جانا، ایک تاریخی حقیقت ہے۔ البتہ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام، اس ملک کے بنانے والوں اور چلانے والوں کے لیے ہمیشہ اس درجہ ناگزیر رہا ہے کہ اس کی مخالفت یا اس سے انکار، کوئی بھی "افورڈ" نہیں کر سکا۔ جیسا کہ خود فاضل مضمون نگار نے غلام محمد، سکندر مرزا، ایوب خان، یحیی خان اور بھٹو کی مثال دیتے ہوئے تسلیم کیا ہے۔ "پاکستان کا مطلب کیا ــــ لاالہ الا اللہ" کا نعرہ لگائے بغیر نہ تو ۱۹۴۶ء کا الیکشن جیتا جا سکتا تھا، اور نہ پاکستان بنایا جا سکتا تھا۔ ملک بننے کے فوراً بعد، اس تضاد نے ایسا سر اٹھایا کہ آج تک سر نہیں ہو سکا۔ "اسلامی سوشل ازم" اور "اسلامی جمہوریت" کے شتر گربے بھی، اسی تضاد کی ناجائز اولاد کا درجہ رکھتے ہیں۔ (ادارہ)

پاکستان کے سیکولر، ملحد، اشتراکی دانش باز حسن اتفاق سے مسلمان گھرانوں میں پیدا تو ہو گئے تھے مگر وہ اس اتفاقی حادثہ کے متعلق شدید ندامت وخجالت کا شکار ہیں۔ وہ "روشن خیالی" کی منزلیں طے کرتے ہوئے اس مقام تک پہنچے ہوئے ہیں جہاں اسلام سے کسی قسم کی وابستگی یا اپنی اسلامی شناخت کا اعتراف اُنہیں رجعت پسندی کا مظہر دکھائی دیتا ہے۔ ان کے بیانات کو پیش نظر رکھا جائے تو بلاشبہ وہ فکری ارتداد کے مرتکب ہو چکے ہیں، مگر ان کے اندر سے اس قدر اخلاقی جرات نہیں ہے کہ وہ کھلم کھلا اپنے 'مرتد' ہونے کا اعلان کر سکیں۔ وہ ایک عجیب فکری گھٹن اور مخمصے میں مبتلا دکھائی دیتے ہیں۔ وہ بظاہر اپنے مسلمان ہونے کے دعوے سے بھی پیچھے نہیں ہٹتے مگر اسلام کو ضابطہ حیات کے طور پر قبول کرنے کو بھی تیار نہیں ہیں۔ وہ اسلام کی کھل کر تو مخالفت کر نہیں سکتے، کیونکہ پاکستان جیسے نظریاتی ملک میں 'حریت فکر' کے مغربی معیارات کو ابھی تک قبولیت نہیں مل سکی۔ البتہ اپنی دانشورانہ فریب کاری کے پردے میں وہ اسلام کی مخالفت کا کوئی نہ کوئی طریقہ ضرور

ڈھونڈ نکالتے ہیں۔

سیکولرازم کی نئی لہر: ان دنوں سیکولرزم کا ایک نیا سیلاب پاکستان کی نظریاتی سرحدوں سے ٹکرا رہا ہے۔ پاکستان کا سیکولر طبقہ ایک مختلف جارحانہ استدلال اور منفی پراپیگنڈا کے ساتھ پاکستان کی نظریاتی اساس پر حملہ آور ہو گیا ہے۔ اس سے پہلے ان کا استدلال یہ تھا کہ محمد علی جناح سیکولر، روادار اور متحمل مزاج ریاست کا تصور رکھتے تھے۔ اب ان کا زور اس بات پر ہے کہ قیام پاکستان کا محرک سرے سے کوئی نظریہ (آئیڈیالوجی) تھا ہی نہیں۔ وہ آئیڈیالوجی کی نفی کر کے بالواسطہ اسلام کی نفی کر رہے ہیں۔ کیونکہ نظریہ پاکستان کا دوسرا نام 'اسلام' ہے۔

آج کل تواتر سے سیکولر صحافی یہ لکھ رہے ہیں کہ آج کا پاکستان وہ نہیں ہے، جو جناح کا پاکستان تھا، بلکہ یہ ملاؤں کے مسخ پاکستان کا نقشہ ہے جو ہمارے سامنے ہے۔ بعض افراد تو افواج کا مذاق اڑا رہے ہیں کہ یہ خواہ مخواہ پاکستان کی نظریاتی سرحدوں کے محافظ کا کردار اپنے اوپر طاری کئے ہوئے ہے۔ معلوم ہوتا ہے پاکستان کا تشخص مٹانے کی ایک بہت ہی مکروہ سازش ہے جسے عملی جامہ پہنانے کے لئے ذرائع ابلاغ کا بھرپور استعمال کیا جا رہا ہے۔ گزشتہ چند ہفتوں کے دوران راقم کی نگاہ سے متعدد مضامین گزرے ہیں جس میں مندرجہ بالا افکار کا پرچار کیا گیا ہے۔ سب کا حوالہ دینا مشکل ہے البتہ میں چند ایک مضامین کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہوں گا۔

(۱) 'دی فرائیڈے ٹائمز' لاہور سے نجم سیٹھی کی زیر ادارت نکلنے والا ایک معروف ہفت روزہ ہے، اس میں نظریہ پاکستان کے خلاف مسلسل مضامین کا سلسلہ جاری ہے۔ ۲۵ تا ۳۱ مئی ۲۰۰۱ء کے 'فرائیڈے ٹائمز' کے اداریے کا عنوان تھا: "Mixing Religion with politics"۔ اس میں نہایت جارحانہ انداز میں علماء، دین پسندوں اور وفاقی وزیر برائے مذہبی امور ڈاکٹر محمود غازی کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ اس اداریے میں اسلامی ریاست اور سیکولر ریاست کا فرق بتاتے ہوئے تحریر کیا گیا کہ سیکولر ریاست وہ ہوتی ہے جس میں "حاکمیت (Sovereignty) عوام کے پاس ہوتی ہے، جبکہ اسلامی ریاست میں حاکمیت اللہ کی تصور کی جاتی ہے۔" اداریہ نویس نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا تھا کہ پاکستان کے آئین میں عوام کو حاکمیت سے محروم کر دیا گیا ہے۔

(۲) ۱۲/ جون ۲۰۰۱ء کو روزنامہ، دی نیشن' میں حسین نقی کا کالم شائع ہوا، جس میں مذہب بیزار کالم نگار نے پاکستان کو سیکولر ریاست بنانے پر زور دیا۔ موصوف نے اسلام پسندوں کو "Obscurantist" یعنی ابہام پسند یا 'ترقی کے دشمن' ہونے کا طعنہ دیا۔

(۳) ۲۶ جون ۲۰۰۱ء اور ۲/ جولائی ۲۰۰۱ء کے درمیان انگریزی روزنامہ 'دی نیوز' میں ایک غالی اشتراکی ایچ کے برکی کے مضامین کا ایک سلسلہ چھ اقساط میں شائع ہوا جس میں انہوں نے لچر انداز میں پاکستان میں اسلام کے نفاذ

کی کوششوں کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ موصوف نے نظریہ پاکستان کے وجود سے کلی طور پر انکار کرتے ہوئے اس کو ایک واہیات واہمہ قرار دیا۔ ۲۹/ جون کو اس سلسلہ کا جو مضمون شائع ہوا، اسکا عنوان تھا'' The Merchants Of Ideology''، یعنی 'نظریہ کے سوداگر'۔ یہ مضمون نظریہ پاکستان کی مخالفت کا بدترین اسلوب لئے ہوئے تھا۔

(۴) جون ۲۰۰۱ء کی ہی کسی تاریخ کو انگریزی اخبار 'ڈان' میں ایم بی جعفری کا ایک لغو مضمون شائع ہوا، جس میں مضمون نگار نے دعویٰ کیا کہ تحریک پاکستان کے دوران ''پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ'' کا نعرہ نہیں لگایا گیا تھا، یہ بعد میں ملاؤں نے تخلیق کیا تھا۔ موصوف نے ۱۸۵۷ء سے لے کر ۱۹۴۷ء کے دوران تحریک آزادی میں علماء دین کی کسی قسم کی شرکت یا جدوجہد کا سرے سے انکا کیا۔

(۵) سیکولر پریس میں آج کل حمزہ علوی کے مضامین کا خوب چرچا ہے۔ یہ صاحب ریٹائرڈ وفاقی سیکرٹری ہیں، کافی عرصہ سٹیٹ بینک آف پاکستان میں بھی سینئر پوزیشن پر رہے ہیں، ورلڈ بینک میں بھی خدمات انجام دے چکے ہیں۔ مگر آج کل ان کی تمام تر توجہ پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ میں تبدیل کرنے کے لئے برپا کی جانے والی تحریک پر مرکوز ہے۔ یکم جون کو ڈھاکہ میں 'مذہبی بنیاد پرستی' کے موضوع پر منعقد ہونے والی سارک تھنک ٹینک کانفرنس میں حمزہ صاحب شریک ہوئے اور "The rise of religious fundamentalisms in Pakistan" یعنی ''پاکستان میں مذہبی بنیاد پرستی کا ارتقا'' کے عنوان سے پڑھا۔ یہ مقالہ ۱۵ تا ۲۱، جون ۲۰۰۱ء کے 'دی فرائیڈے ٹائمز' میں چھپا۔ اگر کسی نے پاکستان کے سیکولر طبقہ کے زہریلے، متعفن اور سرطانی افکار کا کسی ایک مضمون میں مطالعہ کرنا ہو تو حمزہ علوی کا مقالہ اس سلسلے میں 'جامع ترین' ہے۔ اس مضمون کی ایک ایک سطر اسلام دشمنی پر مبنی ہے۔ اس مقالے میں دینی مدارس، علماء اور جہادی تنظیموں کے متعلق بھی سخت ہرزہ سرائی کی گئی ہے۔

(۶) معرف قادیانی صحافی اور دانشور خالد احمد نے ایک طویل عرصہ سے اسلام دشمنی میں اپنے آپ کو کھپایا ہوا ہے۔ گذشتہ کئی ماہ سے وہ اپنے کالموں میں جہادی تنظیموں کے خلاف شدید زہر اگل رہے ہیں۔ وہ جہادفوبیا کی کی وجہ سے خاصے حواس باختہ نظر آتے ہیں۔ ان کے خیال میں پاکستان کے تمام سیاسی، معاشی اور سماجی مسائل کا سبب یہاں بنیاد پرستی کا عروج ہے۔ وہ سیکولرازم کے انتھک مبلغ ہیں۔ حال ہی میں ان کے شائع ہونے والے ایک کالم کا عنوان تھا: ''پاکستان کے لئے سیکولرازم ناگزیر ہے۔''

(۷) گذشتہ ایک سال سے لاہور سے ایک ماہنامہ 'نیا زمانہ' کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔ اس کے مدیر صاحب اپنے آپ کو 'مذہبی سکالر' کہتے ہیں مگر ان کی زیر ادارت نکلنے والے رسالہ میں سیکولر، اشتراکی اور ملحد دانش بازوں کے مضامین ہی شامل ہوتے ہیں۔ 'نیا زمانہ' کے دو ماہ پہلے کے ایک شمارے کے اداریے کا عنوان تھا'' پاکستان کی بقا سیکولرازم

میں ہے!'' اس رسالہ کے سرورق پر جناح کا وہ قول متواتر چھپ رہا ہے، جس میں انہوں نے ہندوؤں کو آزادانہ طور پر عبادت کا حق دیا تھا۔ جناح کی ۱۱/اگست ۱۹۴۷ء کی تقریر کے یہ چند جملے ہیں، جنہیں ہمارا سیکولر طبقہ توڑ موڑ کر بیان کرتا ہے اور اس کی غلط تعبیر نکالتا ہے۔ اس رسالہ کا مائو سیکولرازم کا پرچار ہے۔

(۸) انگریزی روزنامہ 'دی فرنٹیر پوسٹ' پشاور اپنی الحادی صحافت کی بنیاد پر بے حد بدنام ہے۔ ۲۹/جنوری ۲۰۰۱ء کو اس اخبار میں ایک یہودی دریدہ دہن کا خط چھپا تھا جس کا عنوان ہے: "Why Muslims hate jews" یعنی ''مسلمان یہودیوں سے نفرت کیوں کرتے ہیں؟'' اس خط میں اس یہودی نے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر بے حد رکیک حملے کئے تھے۔ شمع رسالت کے پروانوں نے شدید احتجاج کرتے ہوئے فرنٹیر پوسٹ کے دفتر کو آگ لگادی۔ حکومت نے فوری طور پر اس اخبار کی بندش کا حکم جاری کیا تھا۔ لیکن یہ اخبار ۲۰/جون ۲۰۰۱ء سے دوبارہ شائع ہونا شروع ہوگیا ہے۔

(۹) انگریزی ماہنامہ ہیرالڈ، نیوز لائن، مختلف انگریزی اخبارات مثلاً ڈان، دی نیوز، دی نیشن، دی مسلم وغیرہ میں گذشتہ چند ماہ میں جس قدر سیکولرزم کے پرچار پر مبنی مضامین شائع ہوئے ہیں، راقم کے خیال میں گذشتہ پانچ سالوں میں شاید اس موضوع پر اس قدر مضامین شائع نہیں ہوئے ہونگے۔

(۱۰) لاہور میں پنجابی کانفرنس کے دوران 'نظریہ پاکستان، کے خلاف جو کچھ کہا گیا، اسے دہرانا تحصیل حاصل ہے۔

(۱۱) این جی اوز کا نیٹ ورک، نظریہ پاکستان کے خلاف جو پراپیگنڈہ کررہا ہے، اس کی تفصیلات کا احاطہ کسی ایک مضمون میں نہیں کیا جاسکتا۔ اپوائی بیگمات کے بعد اب ایک اور انتہاپسند گروہ 'عاصمانی بیگمات' کا سامنے آیا ہے، جو پاکستان کے خاندانی نظام کو تباہ کرنے اور پاکستان کی نظریاتی اساس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے مجنونانہ جدوجہد کررہا ہے۔ عاصمہ جہانگیر اس گروہ کی سرغنہ ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان کی نظریاتی سرحدوں پر سیکولر طبقہ کی اس تازہ یلغار کے اسباب وعوامل کیا ہیں؟ یہ سیکولر دانشور ۷۰ء اور ۸۰ء کی دہائی کے پٹے ہوئے مہرے ہیں۔ آخر ان میں یکا یک دوبارہ جان کیسے پڑ گئی ہے؟ مختصر الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ عالمی منظر پر تیزی رفتاری سے بڑھتی ہوئی اسلام کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک کے خلاف عالمی استعمار، یہود و ہنود کی لابیوں اور مذہب بیزار طبقہ کے ردعمل کا ہی یہ شاخسانہ ہے۔ سوویت یونین کے انہدام کے بعد، امریکی و یورپی استعماری طاقتیں اب اسلام کو اپنا حریف سمجھتی ہیں۔ یہودی تھنک ٹینک پاکستان کی تباہی (خاکم بدہن) کی پیش گوئیاں کررہے ہیں۔ پاکستان کا سیکولر طبقہ جو ہمیشہ اہل مغرب کے نظریات کی ہی جگالی کرتا ہے، وہ عالمی استعماری طاقتوں کے آلہ کار کا کردار ادا کررہا ہے۔ پاکستان کے بائیں بازو کے دانشور جو امریکہ کے خلاف لکھتے تھکتے نہیں تھے، آج امریکی

زیر سرپرستی کام کرنے والے این جی اوز کے نیٹ ورک کے ہراول دستے میں شامل ہیں۔ این جی اوز امریکی سوچ کو پھیلانے کا آج کل مؤثر ترین ذریعہ ہیں۔ اسلام، نظریۂ پاکستان، علماءِ دین، جہادی تنظیموں اور دینی مدارس کے خلاف پاکستان کا سیکولر طبقہ جو کچھ لکھ رہا ہے، وہ بنیادی طور پر امریکی پالیسی ہی کو آگے بڑھانے کی ہی ایک صورت ہے۔

پاکستان میں امریکہ کے سفیر ولیم بی میلام نے امریکہ جانے سے پہلے ایک تقریب سے خطاب کرتے ہوئے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، اس کا موازنہ اگر پاکستان کے سیکولر صحافیوں کے مضامین سے کیا جائے تو اس میں حیران کن حد تک مکمل مشابہت پائی جاتی ہے۔ میلام کی تقریر کا پورا متن روزنامہ 'دی نیشن' کی ۲۷ رجون کی اشاعت میں شامل تھا۔ ولیم میلام نے پاکستانی قوم کو متنبہ کیا کہ اگر پاکستان مہذب اور ترقی یافتہ دنیا کے شانہ بشانہ چلنا چاہتا ہے تو اسے 'جناح کا پاکستان' ہی دوبارہ قائم کرنا چاہئے۔ اس نے پاکستان میں جہادی تنظیموں کی بڑھتی ہوئی پزیرائی پر تشویش کا اظہار کیا۔ اس نے کہا کہ جناح ایک سیکولر، لبرل اور ترقی پسند پاکستان چاہتے تھے، وہ اسلامی ریاست کے حق میں نہیں تھے۔ ولیم بی میلام نے پاکستان میں دینی راہنماؤں کو obscurantist کہا۔ اس نے باقاعدہ جناح کی ۱۱ راگست کی تقریر کے وہ اقتباسات پڑھ کر سنائے جس میں اس کے بقول سیکولر ریاست کا تصور موجود ہے۔ اس نے پاکستانی حکومت کو مشورہ (حکم؟) دیا کہ وہ بنیاد پرستوں کو کچلنے کیلئے بھرپور اقدامات کرے۔

یکم جولائی ۲۰۰۱ء کے روزنامہ 'جنگ' میں پاکستان کے سابق وزیر خارجہ جناب آغا شاہی کا مفصل انٹرویو شائع ہوا جس میں انہوں نے امریکی تھنک ٹینک اور امریکی سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کی عالم اسلام بالخصوص پاکستان کے متعلق تجزیاتی رپورٹوں کا ذکر کیا۔ انہوں نے بیان کیا کہ پاکستان کے متعلق یہ ادارے کس طرح منصوبہ بندی کر رہے ہیں۔ ان کے اہم ترین ہدف یہ ہے کہ وہ پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک میں اسلامی تحریکوں کو کامیاب نہ ہونے دیں یہاں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ امریکی ادارے محض رپورٹیں مرتب ہی نہیں کرتے ان کو عملی جامہ پہنانے کیلئے کروڑوں ڈالر بھی خرچ کرتے ہیں۔ پاکستانی ذرائع ابلاغ میں سیکولرزم کی تازہ لہر کے پس پشت مذکورہ عالمی منصوبہ بندی کارفرما نظر آتی ہے۔

جناح کا تصور یہ ایک ناقابل تردید تاریخی حقیقت ہے کہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا۔ قیام پاکستان کی تحریک کے دوران مسلمانوں میں جس نعرے نے جوش وخروش پیدا کیا، وہ یہی تھا: ''پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ''۔ جناح نے ۱۳/جنوری ۱۹۴۸ء کو اسلامیہ کالج پشاور کے جلسہ میں حصول پاکستان کا مقصد بیان کرتے ہوئے کہا: ''ہم نے پاکستان کا مطالبہ ایک زمین کا ٹکڑا حاصل کرنے کے لئے نہیں کیا تھا بلکہ ہم ایک ایسی تجربہ گاہ حاصل کرنا چاہتے تھے جہاں ہم اسلام کے اصولوں کو آزما سکیں۔''

۱۱ راگست ۱۹۴۷ء کی جناح کی تقریر کے بعض اقتباسات پیش کر کے سیکولر دانشور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قیام

پاکستان سے پہلے جناح کی جن تقاریر میں اسلام یا اسلامی ریاست کے متعلق جو باتیں ملتی ہیں، وہ انہوں نے مسلم عوام کے اندر علیحدہ ریاست کے حصول کی غرض سے جوش وخروش پیدا کرنے کے لئے کہی تھیں ورنہ ان کے پیش نظر ایک سیکولر ریاست کا قیام ہی تھا۔ جناح نے ۱۱راگست کی تقریر میں سیکولر ریاست کی اصطلاح استعمال کی، نہ ہی سیکولرازم کو ریاستی نظریہ کے طور پر پیش کیا، مگر اسلام دشمن طبقۂ ملاحدہ نے جناح کی اس تقریر کو آڑ بناتے ہوئے مفتی پراپیگنڈہ شروع کر دیا کہ پاکستان کا دستور اسلامی شریعت کی بنیاد پر نہیں بنایا جائے گا۔ ۲۵رجنوری ۱۹۴۸ء کو کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے کہا: ''میں ان لوگوں کی بات نہیں سمجھ سکتا جو دیدہ ودانستہ اور شرارت سے پراپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنیاد پر نہیں بنایا جائے گا۔ اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی اسی طرح قابل اطلاق ہیں، جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے۔ میں ایسے لوگوں کو جو بدقسمتی سے گمراہ ہو چکے ہیں، یہ صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ یہاں غیر مسلمانوں کو بھی کوئی خوف نہیں ہونا چاہئے۔''

۴رفروری ۱۹۴۸ء کو سبی میں خطاب کے دوران آپ نے کہا:

''میرا ایمان ہے کہ ہماری نجات کا واحد ذریعہ اس سنہری اصولوں والے ضابطہ حیات پر ہے جو ہمارے عظیم واضع قانون پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے قائم کر رکھا ہے۔ ہمیں اپنی جمہوریت کی بنیادیں سچے اسلامی اصولوں اور تصورات پر رکھنی چاہئیں۔ اسلام کا سبق یہ ہے کہ مملکت کے اُمور ومسائل کے بارے میں یہ فیصلے باہمی بحث و تمحیص اور مشوروں سے کیا کرو۔''

ہمارے سیکولر راہنما ۱۱راگست ۱۹۴۷ء کی جناح کی تقریر کو ہی ان کا آخری نقطۂ نظر قرار دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں پاکستان بننے سے پہلے جناح کی تقاریر میں جو اسلام کے متعلق حوالہ جات ملتے ہیں، وہ عوام الناس میں جوش و جذبہ پیدا کرنے کی غرض سے دیئے گئے، حالانکہ اس موقع کے بعد بھی جناح نے کئی مرتبہ اسلامی ریاست قائم کرنے کی بات کی۔ ڈاکٹر عائشہ جلال کی کتاب سے جناح کے یہ الفاظ ملاحظہ کیجئے:

''حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوم ولادت کے موقع پر سندھ بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے قائد اعظم نے سامعین پر زور دیا کہ وہ تنگ نظری اور صوبہ پرستی سے پرہیز کریں اور اپنے آپ کو پاکستان کو ایک ''سچی عظیم اسلامی ریاست'' بنانے کے لئے تیار کریں۔'' (صفحہ ۲۷۹)

ڈاکٹر عائشہ جلال نے جناح کے اس بیان کو دستور ساز اسمبلی کے پہلے اجلاس والے مشہور خطاب سے 'بہت نمایاں گریز' (Radical departure) قرار دیا ہے مگر یہ اس خاتون مؤرخ کی کج فہمی ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ ۱۱راگست ۱۹۴۷ء کو دیئے گئے ان کے خطبہ کو سیکولر دانشوروں نے بالکل غلط تناظر میں پیش کیا ہے۔ نجانے سیکولرزم کے

متعلق ان حضرات کا کیا تصور ہے، سیکولرازم اپنے مفہوم و مطلب کے لحاظ سے ہر اعتبار سے مذہب مخالف نظریہ ہے۔ معروف ترین انسائیکلوپیڈیا اور انگریزی لغات میں سیکولرزم کی تعریف کرتے ہوئے اسے مذہب مخالف نظریہ بتایا گیا ہے۔

'نظریۂ پاکستان' کی اصطلاح اصغر خان صاحب پاکستان کے قیام کا مقصد محض مسلمانوں کے لئے الگ علاقے کے حصول تک محدود بتاتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

''اس نظریے کے تحت برصغیر میں شمال مغرب اور شمال مشرق کے مسلم اکثریتی علاقے، آزاد ریاستیں تشکیل دے سکتے تھے۔ اس وقت تک اس نظریے کا مفہوم بس اس قدر تھا، اس سے زیادہ نہ تھا۔ لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا، اس کی نئی نئی تفسیریں سامنے آنے لگیں۔ مذہبی دھڑے جو اپنی بالادستی قائم کرنا چاہتے تھے، یہ ثابت کرنے پر تل گئے کہ پاکستان ایک مذہبی ریاست کے طور پر قائم ہوا ہے..... اس طرح 'نظریۂ پاکستان' کی اصطلاح وجود میں آ گئی''۔ (اسلام، جمہوریت اور پاکستان، صفحہ ۲۷۸)

اس شرارت کے خالق جسٹس (ر) محمد منیر ہیں جنہوں نے اپنی کتاب ''جناح سے ضیاء تک'' میں 'نظریۂ پاکستان' کی اصطلاح کو جماعت اسلامی کے ایک رکن اسمبلی سے منسوب کیا ہے۔ جسٹس (ر) منیر کے مطابق: ''قائداعظم نے 'نظریۂ پاکستان' کا فقرہ کبھی استعمال نہیں کیا تھا۔ قیام پاکستان کے پندرہ سال بعد تک نظریۂ پاکستان کے فقرے سے کوئی متعارف نہیں تھا۔ حتیٰ کہ ۱۹۶۲ء میں جب قومی اسمبلی میں سیاسی جماعتوں کے قانونی بل پر بحث ہو رہی تھی تو اسمبلی میں جماعت اسلامی کے واحد ممبر جنہوں نے ایک ترمیم پیش کر رکھی تھی، نے اپنی تقریر میں نظریۂ پاکستان کا فقرہ استعمال کیا تھا۔ اس پر چودھری فضل الٰہی نے جو بعد میں پاکستان کے صدر مقرر ہوئے تھے، اعتراض کیا تھا کہ نظریۂ پاکستان کی تعریف ملی جانی چاہئے، اس پر ممبر مذکور نے جواب دیا تھا کہ نظریۂ پاکستان اسلام ہے، لیکن پھر کسی ممبر نے مزید یہ نہیں پوچھا کہ ''اسلام کیا ہے؟'' چنانچہ ترمیم منظور کر لی گئی۔'' (صفحہ ۲۶).....(باقی آئندہ)

مسافران آخرت

☆ عارف والہ سے ہمارے کرم فرما اور قلمی معاون محترم پروفیسر محمد اکرام تائب کی والدہ ماجدہ گزشتہ ماہ رحلت فرما گئیں۔

☆ مجلس احرار اسلام بورے والہ کے رکن محترم صوفی عبدالشکور کی والدی صاحبہ گزشتہ ماہ انتقال کر گئیں۔

☆ مجلس احرار اسلام ماہزہ ضلع مظفر گڑھ کے کارکن محترم غلام یٰسین مجاہد کے والد محترم ۱۱ جولائی ۲۰۰۱ء کو انتقال کر گئے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ دعاء مغفرت اور ایصال ثواب کا اہتمام فرمائیں۔ ادارکین ادارہ ان حضرات سے اظہار ہمدردی کرتے ہوئے ان کے غم میں شریک ہیں اور دعاء مغفرت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر عطا فرمائے آمین (ادارہ)

سیدہ "ب" بخاری

''ترقی کا راز''

انسان اشرف المخلوقات ہے انسان کو یہ شرف علم کی بدولت ملا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین دماغی صلاحیتیں عطا فرمائیں۔ ان صلاحیتوں سے کام لے کر وہ مسلسل ترقی کی راہوں پر گامزن ہے۔ شروع میں انسانی زندگی سیدھی سادی تھی۔ وہ جنگلوں اور غاروں میں رہتا تھا۔ لیکن وہ اب اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ ذہن کو سائنسی علوم میں استعمال کر کے آئے روز نت نئی چیزیں دریافت کرتا اور ایجاد کرتا ہے اور وہ سائنس کی بدولت بظاہر زندگی کے ہر میدان میں آگے بڑھ رہا ہے۔

لیکن یہ کیا کہ .... جوں جوں ہم ترقی کر رہے ہیں اپنی پہچان بھول رہے ہیں۔ آجکل ہماری قوم بالخصوص نوجوان طبقہ (خواہ مرد ہوں یا عورتیں) اپنے دین، اپنے مذہب، اسلامی تاریخ اور اسلامی ثقافت سے دور نظر آتے ہیں۔ ان میں دوسروں کی نقل کا رجحان اس قدر بڑھ گیا ہے کہ وہ غیر مسلم اقوام (جن کی غلامی میں انہوں نے سینکڑوں برس گزارے دیئے) کی پیروی کو بہترین طرزِ عمل سمجھتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں ہمیں ذرا اس بات کا ہے کہ مبادا مغرب سے کوئی ایسی طوفانی آندھی آ جائے جو ہمیں اڑا کر لے جائے اور ہماری تہذیب، ہمارا وجود تاریخ کا گرد و غبار ہو جائے۔

بے شک ہمیں اپنی قوم کو ترقی کی راہ کی طرف لے جانا ہے لیکن ہماری ترقی کا راز اس میں نہیں کہ نبوی طور طریقوں، دینی روایات اور اپنے آباؤ اجداد کی اعلیٰ صفات کو پرانا قرار دے دیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ کبھی دنیا کے اکثر حصوں پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔ وہ مسلمان حسن عمل، حسن اخلاق، حسن خیال اور حسن نظر کا بہترین نمونہ تھے۔ اس کی ایک ہی وجہ تھی اور وہ یہ کہ وہ اپنے مذہب یعنی اسلام سے دلی محبت کرتے تھے۔ اپنی جان و مال سب کو اللہ کی امانت اور اسلام کے لیے وقف سمجھتے تھے۔ وہ دوسروں کی نقل نہیں کرتے تھے بلکہ دوسرے ان سے زندگی کرنے کا ڈھب سیکھتے تھے۔

نبی علیہ السلام کے اس دنیا سے پردہ فرما لینے کے بعد، وہ کونسی قوت تھی جس نے آپ کے تشکیل کردہ مثالی انسانی معاشرے اور مثالی ریاست کو ہر بحران اور ہر طوفان میں ثابت و سالم رکھا۔ صدیقی و فاروقی دور کی فتوحات سے مسلمانوں کی طاقت ہی نہیں، ان کی ''ترقی کا راز'' بھی دنیا پر آشکارا ہوا۔ سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور خلافت میں اسلامی سلطنت بہت زیادہ پھیلی۔ بہت زیادہ فتوحات ہوئیں، یہ اسی وجہ سے تھا کہ وہ حضور القدس کے بتائے ہوئے اور صدیق و فاروق کے آزمائے ہوئے سیدھے راستے پر ثابت قدم رہے تھے اور انہوں نے نہ اس راستے سے ہٹنے کی کوشش کی اور نہ ہی کوئی انہیں اس راہ سے متزلزل کر سکتا تھا۔ یہ تمام کامیابی اس لیے تھی کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس قول پر عمل کیا۔ **المرء مع من احب**'' (آدمی محشر میں اس کے ساتھ ہوگا، جس سے وہ دنیا میں محبت کرتا تھا، یا جس کے اعمال و اقوال کو پسند کرتا تھا۔) لیکن آج کل معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اب ہم اسوہ رسول ﷺ کو چھوڑ کر ان لوگوں کے طور طریقے، رہن سہن، لباس، چال ڈھال اپنانے کی کوشش میں ہیں کہ جو ہمیں اپنا غلام سمجھتے ہیں۔ کاش ہم اپنے اعمال دیکھ کر اپنا انجام خود ہی سوچ لیں۔ یہ نہ ہو روزِ حشر جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مسلمانوں کی شفاعت فرمائیں تو ہم میں سے کتنے ہی قارون اور ہامان کی صف میں شامل ہوں اور جب وہ حضور ﷺ سے سفارش کی درخواست کریں تو فرشتے انہیں گھسیٹ کر جہنم میں لے جائیں کہ یہ تو دین کو بھلانے اور مٹانے والے لوگ تھے، ان کا حضور ﷺ کے پاس کیا کام۔ (**اللھم احفظنا منھم و لا تجعلنا منھم**) کاش، ہم ترقی کا یہ راز پالیں کہ جو قومیں اپنی تہذیب ترک کر کے غیروں کے انداز اپنا لیتی ہیں وہ احساس کمتری کا شکار ہو کر مٹ جاتی ہیں۔

مولانا ابومعاویہ رحمانی

شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور

ایک خط، ماہنامہ ''نغمۂ توحید'' (گجرات) کے مدیر کے نام!

پہلے اسے پڑھیے: معاصر عزیز ماہنامہ ''نغمۂ توحید'' گجرات کے دو شماروں (دسمبر ۲۰۰۰ء، فروری ۲۰۰۱ء) میں مدیر مجلہ محمد الفھاد صاحب کے قلم سے ایک مضمون نکلا، جس کے تین عناوین تھے، یعنی

''گفتنی ناگفتنی..................

آپ ہی اپنی اداؤں پہ ذرا غور کریں

ابن امیر شریعت اور سدیٰ صغیر کی روایت''

اس مضمون میں مدیر مجلہ نے بزعم خویش حضرت قائد احرار ابن امیر شریعت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ کو ہدف تنقید بنایا۔ پورے مضمون کے اسلوب اور مواد پر تنقید سے زیادہ تحقیر اور تیز گفتاری کا رنگ غالب تھا۔ اختلاف رائے، اختلاف فکر یا اختلاف عقیدہ کے اظہار کے لئے، اسی ''گجراتی اسلوب'' کا پورا پورا تتبع کرتے ہوئے مذکورہ مضمون کا جواب دینا تو نہایت آسان تھا لیکن ''نقیب ختم نبوت'' کے قارئین خوب جانتے ہیں کہ کج بحثی کا جواب کج بحثی سے دینا کبھی بھی ہمارا شیوہ نہیں رہا۔

معاصر مذکور نے جو بحث اٹھائی، اس کا قصہ یہ ہے کہ ملتان سے قریب ہی ایک علاقہ کہروڑ پکا (ضلع لودھراں) میں حضرت پیر جی مدظلہ نے ۳۰ اگست ۲۰۰۰ء کو ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پاک بیان فرمائی کہ ''من صلی علی عند قبری سمعته ومن صلی علی نائیاً ابلغته'' (جو شخص میری قبر پر آ کے درود پڑھے گا، اس کو میں خود سنوں گا اور جو شخص دور سے مجھ پر درود پڑھے گا، اللہ فرشتوں کے ذریعے سے مجھے پہنچا دیں گے)۔ یہ حدیث سنتے ہی، سامعین میں سے ایک صاحب نے رقعہ بھیجا، جس میں حدیث کی صحت پر اعتراض کیا گیا تھا۔ اعتراض کا جواب دے دیا گیا۔ تو وہ معترض صاحب ''بنفس نفیس'' اٹھے اور چلا چلا کر اپنا اعتراض دہرانے لگے، اور پھر سٹیج کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ اس صورتحال میں، مجمع میں ارتعاش کا پیدا ہونا یقینی تھا۔ حضرت پیر جی مدظلہ نے کسی بھی بدمزگی سے بچنے کے لئے مجمع کو ردعمل سے باز رکھا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ سوالات اور اعتراضات کا جواب وہ اپنی گفتگو کے اختتام پر دیں گے۔ لیکن اس دوران وہ صاحب سٹیج کے بہت قریب پہنچ چکے تھے۔ وہاں موصوف نے باقاعدہ تقریر شروع کر دی۔ اور فرمایا ''ہم حاضر ہیں بحث کرنے کے لئے۔'' حضرت پیر جی نے فرمایا ''تشریف رکھیں۔ میں نے

گزارش کی ہے کے میں بڑے اچھے انداز سے گفتگو کر رہا ہوں۔ مجھ سے مناظرانہ انداز میں گفتگو نہ کریں۔'' لیکن موصوف کی برہمی اور تندی بڑھتی چلی گئی۔ وہ جلسہ کو اکھاڑہ بنانے پر تلے ہوئے تھے۔ حضرت پیر جی مدظلہ نے نہایت تحمل سے، ان سے دریافت کیا ''آپ رجال کو جانتے ہیں؟ رجال کی بحث سے واقف ہیں؟'' موصوف نے جواب دیا ''ہمارے پاس مولوی موجود ہے۔ آپ اس کے ساتھ بات کرلیں۔'' پیر جی مدظلہ نے فرمایا ''میں مولوی کے ساتھ بات نہیں کر رہا میں آپ سے بات کر رہا ہوں''۔ اس پر موصوف نے اپنا اعتراض پوری مناظرانہ جارحیت اور جاہلانہ ڈھٹائی کے ساتھ دہرایا کہ ''آپ نے جو روایت پڑھی ہے اس کا راوی محمد بن مروان سدی صغیر شیعہ اور کذاب ہے''۔ پیر جی مدظلہ نے فرمایا ''یہ مجھے پتہ ہے۔ اس حدیث کی سند دو طرق سے ہے۔ میں نے جو روایت نقل کی ہے، اس میں یہ راوی نہیں''۔ اس پر موصوف آپے سے باہر ہو گئے اور للکار للکار کر فرمانے لگے ''یہ راوی نہ ہو تو مجھے گولی مار دو۔ یہ راوی نہ ہو تو مجھے گولی مار دو''۔ حضرت پیر جی نے فرمایا ''گولی آپ کو کوئی اور مارے گا، میں کیوں ماروں؟ آپ مرنا چاہتے ہیں تو مریں۔ مجھ پر قتل کا الزام کیوں لگاتے ہو؟'' اس پر موصوف نے کہا ''آپ بات کا نائم دیں''۔ حضرت پیر جی فرمایا ''ملتان آجاؤ۔ میں جمعہ کی شام تک وہیں ہوں۔ اھلاً وسھلاً''۔ لیکن موصوف ملتان تشریف نہیں لائے۔

مجلّہ ''نغمۂ توحید'' سے پتا چلا کہ معترض موصوف..... غلام اکبر خان بلوچ، جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں۔ ''نغمۂ توحید'' چونکہ اسی ''جمعیت'' کا ترجمان ہے، لہٰذا بلوچ صاحب موصوف کی حمایت میں، مدیر مجلّہ کا مغلوب الغضب ہونا قابل فہم ہے۔ یوں بھی جس مسئلے کا، جس موقف کا اور جس تحقیق کا کوئی علمی اور چھور نہ ہو، اسے منوانے کے لئے دھونس، دھاندلی اور دھڑلے کے ''توحیدی ذرائع'' سے بڑھ کر، اور کیا چیز موثر و کارگر ہوگی؟ توحید وسنت کی ''اشاعت'' کا یہ ''گجراتی مشن'' گزشتہ چوالیس سال سے انہی ذرائع کی بدولت زندہ ہے۔ ''اشاعت التوحید'' کا سن تاسیس ۱۹۵۷ء ہے۔ اسی جماعت کے سٹیج سے، سب سے پہلے عقیدۂ حیات النبی ﷺ، سماع عند قبر النبی ﷺ، سماع موتیٰ اور حیات قبر و برزخ کے حوالے سے اختلافی باتیں، عوام کی سماعت میں آئیں۔ اس اختلافی تحقیق اور موقف کو اہل سنت والجماعت سے عموماً اور وابستگان حلقۂ دیوبند سے خصوصاً منوانے بلکہ ان پر مسلط کرنے اور ٹھونسنے کی جو ''تبلیغی'' اور ''اشاعتی'' مہمیں چلائی گئیں، کم از کم دین حق کی تبلیغ واشاعت کی ساری تاریخ میں، ویسی جارحانہ تبلیغی مہموں کی مثال مشکل ہی سے ملے گی۔ یہ داستان اتنی دل آزار، دل خراش اور ناگوار ہے کہ اسے کہتے ہوئے دل دکھتا ہے۔ توحید وسنت کی یہ کیسی ''اشاعت'' تھی کہ جس کی حدیں ''توہین رسالت'' تک جا پہنچیں۔ ہم غلط نہیں کہتے، بخدا ہم غلط نہیں کہتے۔ برخود غلط محققوں اور دریدہ دہن مقرروں نے مسلمانوں کو کافر و مشرک اور بددین و بے ایمان قرار دینے کی مہمیں بھی چلائیں اور تکفیری فتنوں کی رگوں میں نیا خون بھی دوڑایا، اور اسی پر بس نہیں پھر وہ اس حد تک پہنچے کہ جس کے تصور سے ہی، ایک گناہ

گار ہے گناہ گار مسلمان پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ ذاتِ رسالت مآب ﷺ کے متعلق گفتگو اور، اتنی بے باکی، اتنی بے حیائی، اتنی بے ہودگی کے ساتھ؟

یہ حقیقت ہے کہ ''اشاعت التوحید'' کے سٹیج پر ان برخود غلط محققوں اور دریدہ دہن مقرروں کو دندنانے کو پوری آزادی بھی ملی اور اپنے سرپرست اکابر کی بھرپور سرپرستی بھی۔ اور اس سے بھی بڑھ کر ستم یہ کہ اپنے سٹیج پر اکتفا نہیں کی گئی بلکہ دوسروں کے سٹیج پر چڑھ دوڑنے، قبضہ جمانے، اور غل مچانے کا ''اشاعتی جہاد'' بھی فرمایا گیا۔ ۱۹۵۸ء میں جب حیات النبی ﷺ کے مسئلہ پر ملک کے مذہبی حلقوں میں اولین ہنگامہ آرائی، بلکہ محاذ آرائی ہوئی تو اس کا سبب یہی تھا کہ جامعہ خیر المدارس ملتان کے سٹیج پر ایک ''اشاعتی'' بزرگ نے میزبان ادارہ کے مسلک ومشرب کا لحاظ نہ فرماتے ہوئے اپنے ذاتی اور جماعتی ذوق ومزاج کا ایسا بھرپور مظاہرہ فرمایا، اور دوران خطاب کچھ ایسی گفتگو فرمائی کہ جس سے تردید، جواب، ردعمل، جواب الجواب، بحث بحثی اور پھر کج بحثی کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل نکلا۔ کہروڑ پکا میں پیش آنے والا واقعہ اسی ''اشاعتی جہاد'' کا تسلسل ہے۔ ورنہ بتایا جائے کہ کسی خطیب اور مقرر کو برسرِ منبر ٹوک کر، مناظرہ اور مجادلہ کی فضا پیدا کرنا یا صاف لفظوں میں، جلسہ خراب کرنے کی کوشش کرنا، کونسی اخلاقیات کا حصہ ہے؟ جب ایک اجتماع کے منتظمین، مقررین اور سامعین کے عقیدہ ومسلک کے بارے میں کوئی ابہام نہیں ہے تو وہاں کسی مولوی صاحب کو بغل میں لے کر ''بحث کی تیاری'' کے ساتھ پہنچنا، مقرر کی گفتگو میں بار بار مخل اندازی کرنا، مبارزت طلبی کے انداز میں گفتگو کرنا اور مقرر کو وضاحت کا موقع نہ دینا، توحید وسنت کی ''اشاعت'' کا گجراتی اسلوب تو ہو سکتا ہے، یا سیاسی شبدوں کا شہد اپن، لیکن اسے معقولیت اور شرافت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ ''اشاعتی'' مہم جوؤں کے ذوق مہم جوئی کی تسکین کے لئے، ان کے اپنے حلقۂ فکر سے وابستہ مدارس، مساجد، مجلات، عوامی اجتماعات اور تالیفات وتصنیفات کے ذرائع کیا کم ہیں کہ وہ ''بحث کی تیاری'' کے ساتھ جلسہ جلسہ اور جا بے جا (بلکہ اکثر بے جا) کودتے اور ٹاپتے پھرتے ہیں۔ مقصود افہام وتفہیم ہو تو بات، ماحول، موقع اور مشتعل کئے بغیر افہام وتفہیم کی فضا ہی میں کی جانی چاہئے۔ ایک طے شدہ اصول اور روایت ہے کہ مقرر، سامعین کی طرف سے موصول ہونے والے سوالات واشکالات کا جواب، اپنے زیر بحث نکات کی تکمیل پر گفتگو کے آخر میں دیتا ہے۔ لیکن جب معترضین ومستفسرین ''بے صبری کے منظم مظاہرے'' برپا کرنے لگیں، صرف اس لئے کہ انہوں نے ''بحث کی تیاری'' کر رکھی ہے، تو اس کا صاف مطلب ہے کہ مقصود افہام وتفہیم نہیں، تخریب وشرارت اور فتنہ وفساد ہے، اور ''تیاری'' بھی اسی کی ہے۔ کہروڑ پکا میں جو کچھ ہوا، اس کا ذمہ دار کون ہے؟ منتظمین جلسہ نے اس بدمزگی کے مرکزی کردار ''بلوچ صاحب'' کو مجمع سے نکالا تو اچھا ہی کیا۔ موصوف کا تو مطالبہ تھا کہ انہیں گولی ماردی جائے۔ بعد میں مقامی علماء نے اس واقعے کی مذمت میں پریس کانفرنس کی تو کیا برا کیا؟ اور پھر ''بلوچ صاحب'' کے حوالے سے بعض باتیں جو، ان علماء نے

الزامی نوعیت کی کہیں تو اس کا بار ثبوت بھی انہی حضرات پر ہے، ان باتوں کے لئے حضرت پیر جی مدظلہ کو مورد طعن بنانا ''مدیر نغمہ'' کی دیانت کا کمال ہے یا ذہانت کا، اس کا فیصلہ ہم قارئین پر چھوڑتے ہیں۔

گجراتی مجلے کے فاضل مدیر سے اور ان کے ممدوح اور، متبوع، محققین و مقررین سے اتنی گزارش ہے کہ جلسوں کو فتح کرنے اور مقررین کو مسخر کرنے کے ''اشاعتی'' حربوں سے اجتناب فرمائیں، ورنہ ردعمل کی تلخی اور ناگواری سے ان کا شیرازہ حواس مزید بکھر سکتا ہے۔ اور ہاں، کبھی توفیق ہو تو جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے بانی امیر حضرت مولانا قاضی نور محمدؒ اور بانی ناظم اعلیٰ حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ کے عقیدہ و مسلک کا فیصلہ بھی کفر و اسلام، حق و باطل اور ہدایت و ضلالت کے حتمی تعین کے ساتھ فرما دیں، کیونکہ ان حضرات کا عقیدہ بھی تو یہی ہے کہ ''وفات کے بعد نبی کریم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے۔ اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں'' (بحوالہ سوانح حیات حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ مؤلفہ عبدالمعبود، ص ۳۵۷)

مدیر ''نغمہ'' اپنے ''نغمۂ تفرید'' کی لے، سُر اور تان، جتنی بھی چاہیں گھٹائیں بڑھائیں اور اونچی نیچی کریں، وہ اس کا حق رکھتے ہیں، لیکن وہ اس بات کا کوئی حق نہیں رکھتے کہ جہاں کہیں عقیدہ حیات النبی ﷺ، سماع عند قبر النبی ﷺ، سماع موتی اور حیات قبور برزخ کے حوالے سے گفتگو کی جائے تو مدیر صاحب اس گفتگو کو اپنے عقیدے سے مختلف پا کر، اسے توحید و سنت کا انکار بھی قرار دے دیں اور ''جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ'' پر حملہ بھی سمجھیں، اور پھر فساد پیدا کریں۔ جھگڑے کو جتنا بڑھایا جائے، بڑھ سکتا ہے، خصوصاً جبکہ ہمارے ''نغمہ پرداز'' مہربانوں کو چوالیس سالہ تجربہ بھی حاصل ہے۔ لیکن ''نقیب ختم نبوت'' کے صفحات گواہ ہیں کہ ہم نے ہمیشہ مجبور ہو کر، اس عنوان پر قلم اٹھایا ہے، اور وہ بھی تادم تحریر تین یا چار مرتبہ۔ الحمد للہ، ہم اعتقادی یا جماعتی حوالے سے، شناخت کے کسی بحران میں مبتلا نہیں ہیں کہ کسی ''اشاعتی جہاد'' کے ذریعے سے ''نان ایشوز'' کو ''ایشوز'' بنا کر اپنی انفرادیت اور امتیاز قائم کریں۔

زیر بحث مسئلہ سے متعلق، حضرت امیر شریعت، ان کے جانشین اول حضرت سید ابو معاویہ ابوذر بخاری اور جانشین ثانی حضرت سید عطاء المحسن بخاری (رحمہم اللہ) کے حوالے سے، اور مجلس احرار اسلام کے اکابر و مشائخ کے حوالے سے، بعض ضروری تصریحات قلم بند کرنا ابھی باقی ہیں۔ اس امر کی ضرورت اور ''ناگزیریت'' ایک عرصہ سے محسوس کی جا رہی تھی۔ لیکن بحالات موجودہ یہ بہت ہی ضروری ہو گیا ہے۔ ان شاء اللہ آئندہ کسی اشاعت میں اس کی تکمیل ہو جائے گی۔

زیر نظر مکتوب ادارہ ''نقیب ختم نبوت'' کے رفیق فکر مولانا ابو معاویہ رحمانی نے مدیر ''نغمہ'' کے نام بہت دن پہلے ارسال کیا تھا۔ ادھر سے جواب نہ پا کر ہمیں اشاعت کے لئے بھجوا دیا۔ ''نقیب ختم نبوت'' میں اب تک اس بحث کو نہ

چھیڑنے کا ایک سبب، یہ توقع بھی تھی کہ مدیر ''نغمہ'' اس خط کے حوالے سے شاید مزید کچھ ارشاد فرمائیں۔اب آپ خط ملاحظہ فرمائیں۔..........................(مدیر)

مکتوب

محترم جناب محمد الفضا دصاحب مدیر، ماہنامہ ''نغمۂ توحید'' گجرات!

سلام مسنون!...... ماہنامہ ''نغمۂ توحید'' ماہ ذیقعدہ ۱۴۲۱ھ میں آپ کی طرف سے ابن امیر شریعت مولانا سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم کے خطابِ کہروڑ پکا کے ضمن میں کچھ وضاحت کی گئی ہے، جو کہ خلافِ حقیقت اور غلط بیانی ہے۔آپ نے لکھا ہے کہ کہروڑ پکا میں حضرت سید عطاء المہیمن بخاری صاحب نے **من صلی علی عند قبری** والی حدیث پڑھی جس کا راوی محمد بن مروان سدی صغیر ہے، جو کہ جھوٹا اور کذاب ہے۔وہاں پر مقامی باشندے اکبر بلوچ نے حضرت شاہ صاحب کو چٹ بھیجی کہ آپ نے جو حدیث پڑھی ہے اس کا راوی محمد بن مروان کذاب ہے اور جھوٹی روایت والی حدیث پڑھنا آپ کو زیب نہیں دیتی تو حضرت شاہ صاحب بجائے اس کے کہ ٹھنڈے دل سے سوچتے، انہوں نے بھٹو والی بڑھکیں مارنا شروع کر دیں۔جناب من! پہلی بات تو یہ ہے اکبر بلوچ باہر سے اندر آیا اور مجمع کو چیرتا ہوا حضرت شاہ صاحب کی طرف بڑھا۔سامعین کو تشویش ہوئی کہ کیا معاملہ ہے؟ تو حضرت شاہ صاحب نے اس سے دریافت کیا کہ بھائی بات کیا ہے، تو اکبر بلوچ نے کہا کہ آپ نے جو حدیث **من صلی علی عند قبری** والی حدیث پڑھی ہے اس کا راوی محمد بن مروان سدی صغیر ہے جو کہ کذاب ہے۔حضرت شاہ صاحب نے فرمایا کہ بھائی میں نے تو یہ حدیث اس روایت سے نہیں پڑھی، میں نے تو ابو یعلیٰ والی روایت سے حدیث پڑھی ہے جس میں محمد بن مروان راوی نہیں ہے، اور اس مفہوم کے ساتھ اور بھی کئی حدیثیں ہیں۔حضرت شاہ صاحب نے اس سے سوال کیا کہ تو اسماء الرجال کی بحث کو جانتا ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔اس کے بعد اکبر بلوچ نے کہا کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو تو آپ مجھے گولی مار دیں۔حضرت شاہ صاحب نے اسے سمجھایا کہ بھائی میں کیوں تیرا قتل اپنے ذمہ لوں، اگر تمھیں مسئلہ سمجھنا ہے تو ملتان آ جاؤ، پورے حوالہ جات کے ساتھ، احادیث کتبِ احادیث سے دکھلا کر سمجھا دونگا۔اس کے بعد مقامی منتظمین جلسہ اسے پکڑ کر باہر لے گئے۔

جناب مدیر صاحب! جب حضرت شاہ صاحب نے اسے فرمایا کہ تم ملتان آ جاؤ، انشاء اللہ تمہیں وہاں سب احادیث اور ان کے راوی حوالہ جات کے ساتھ دکھلاؤنگا، پھر اب تک اکبر بلوچ وہاں ملتان کیوں نہیں گیا؟ اکبر بلوچ کی طرف سے تو اخبار ''نوائے وقت'' میں پریس کانفرنس چھپی، جس میں اس نے دعویٰ کیا کہ اگر شاہ صاحب بخاری اور مقامی علماء سماع عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث پیش کر دیں تو میں ایک لاکھ روپیہ انعام دوں گا۔تب کہروڑ پکا کے علماء نے صحیح حدیث کا حوالہ دیکر اشتہار بھی شائع کیا، پھر اکبر بلوچ کدھر گیا؟

سوال یہ ہے کہ آپ سب حضرات محمد بن مروان والی حدیث پر کیوں سارا زور لگا رہے ہیں؟ محمد بن مروان

واقعی کذاب اور جھوٹا تھا، اس کے علاوہ دیگر احادیث کو آپ حضرات کیوں نہیں تسلیم کر لیتے؟ اس سے کون سا شرک واقع ہو رہا ہے؟ صحیح احادیث ہونے کے باوجود بھی آپ کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قبر مبارک میں مردہ ہیں، آپکا وجود جماد محض ہے، بے حس و بے شعور ہے (العیاذ باللہ)۔ یہ حب نبی ہے یا بغض نبی ہے؟

حضرت بخاری صاحب مدظلہ اور اکبر بلوچ کی تو صرف اتنی گفتگو ہوئی، لیکن آپ نے اپنے پرچہ میں پورا مناظرہ بنا دیا ہے کہ اکبر بلوچ نے قبر کے بارے میں بھی سوال کیا، اور فلاں سوال کیا، اور فلاں سوال کیا۔ قابل فہم بات یہ ہے کہ عرف عام میں جسے قبر (گڑھا) کہا جاتا ہے، یہی قبر ہے یا نہیں؟ اور عذاب قبر و جزا و سزا فی القبر اسی قبر میں ہے یا نہیں؟ اب ذرا تعصب والی عینک اتار کر رکھ دیں اور سمجھنے کی نیت کر کے اس حدیث کو پڑھیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

مرا النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقبرین فقال انھما لیعذبان ومایعذبان فی کبیر اما احدھما فکان لا یستترمن البول واما الاخر فکان یمشی بالنمیمة ثم اخذ جریدة رطبة فشقھما تصفین فغرز فی کل قبر واحدة قالوا یارسول اللہ لم فعلت ھذا قال لعلہ یخفف عنھما مالم ییبسا (صحیح بخاری)

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گذرے۔ آپ نے بتایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے، اور وہ کسی بڑے گناہ پر نہیں ہے۔ ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے بچاؤ نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔ پھر آپ نے کھجور کی ایک ٹہنی منگوائی اور اس کے دو حصے کئے اور دونوں قبروں پر ایک ایک حصہ گاڑ دیا۔ صحابہ نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ جب تک یہ ٹہنیاں سبز رہیں گی، ان سے عذاب ہلکا رہے گا۔

اب بتائیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دو شخصوں کو انہی گڑھوں میں عذاب ہوتے پایا جنہیں عرف عام میں قبر کہا جاتا ہے۔ یا امی تین میں واقع قبر کا فرما رہے تھے؟ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ٹہنیاں بھی انہی قبروں پر گاڑی تھیں۔ یہ عذاب جو قبر والوں کو ہو رہا تھا، یہ عالم برزخ کی بات ہے اور اسے ہی عذاب قبر کہا جاتا ہے۔

ایک اور حدیث کا مفہوم ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک قبرستان میں تشریف لے گئے تو ایک شخص قبر کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو فرمایا کہ "قبر والے کو (ٹیک لگا کر) تکلیف نہ دو"۔ وہ شخص بھی تو اسی قبر (گڑھے) کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے منافقین کی قبروں پر کھڑا ہونے سے منع فرما دیا۔ یہاں کونسی قبریں مراد ہیں؟ ایک اور حدیث کا مفہوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں پر جانے والی عورتوں پر لعنت کی ہے۔ یہاں کونسی قبریں مراد ہیں؟ اگر یہ قبریں مراد نہیں ہیں تو پھر آپ ان قبروں پر مرد میلے اور عورتوں کا وہاں جانا جائز قرار دیں اور قبروں پر چڑھاوے، منتیں، نوراتیں،.... سب کو جائز کہیں۔ جب قبر تو یہ ہے ہی

نہیں تو پھر شرک کیسا اور مشرک کون ہے؟ آپ خواہ مخواہ سارے جہان کو مشرک کیوں کہتے ہیں؟ ہاں، اگر آپ کو یہ شبہ ہے کہ قبر کو کھول کر دیکھا جائے تو قبر میں نہ کوئی سانپ ہے، نہ بچھو ہے اور مردے پر عذاب کے کوئی آثار نظر نہیں آتے تو جناب ، عالم برزخ کی چیزوں کے مشاہدہ کے لئے عالم دنیا کی آنکھیں کام نہیں دیتیں۔ جیسے مرتے وقت اللہ کے فرشتے آسمان سے اترتے ہیں تو صرف مرنے والا ہی ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے بلکہ بعض اوقات ان کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے لیکن موجود حاضرین میں سے کوئی بھی ان فرشتوں کو نہیں دیکھ رہا ہوتا، اسی طرح قبر کے لباس، فرش اور سانپ بچھوؤں کو بھی سمجھنا چاہیئے۔ عالم دنیا والے اس کو کیسے دیکھ سکتے ہیں؟ یہ سب عالم غیب کی چیزیں ہیں، جہاں نہ نظر کی رسائی ہے اور نہ عقل کی۔ یہ سب چیزیں فوق العقل ہیں نہ کہ خلاف عقل۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ

''اگر مجھے اس بات کا خدشہ نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتا کہ وہ تمھیں بھی عذاب قبر سنا دیتا جس کو میں سنتا ہوں'' (مسلم جلد ۴ ص ۲۱۹۹ حدیث نمبر ۲۸۶۷) اور بخاری میں ہے..... **تسمعه البهائم کلها** ۔اس کو سب بہائم سنتے ہیں۔ علماء لکھتے ہیں کہ جب ایک خچر عذاب کی آواز سن کر بدکا تو جن وانس، جو عقل وشعور رکھتے ہیں، ان کو یہ آواز اس حکمت کے تحت نہ سنوائی گئی کہ کہیں مردے کو دفن کرنا نہ چھوڑ دیں۔ زندہ شخص اگر اس آواز کو سن لیتا تو راہی بقاء ہو جاتا کیونکہ کسی جن وانسان کو عذاب کے آواز سننے کی تاب نہیں، اس لئے کہ یہاں کے قویٰ بہت کمزور ہیں۔ **لو سمعه لصعق** اگر انسان اس کی آواز کو سنے تو بے ہوش ہو جائے۔

مدیر صاحب! اگر آپ نے عذاب قبر کا ضرور مشاہدہ کرنا ہے تو پھر آپ اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگیں کہ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو اشرف المخلوقات سے نکال کر بہائم میں داخل کر دے (اور بہائم میں سے بھی جو جنس آپ کو پسند ہو) تا کہ آپ حضرات عذاب قبر کی آوازیں سن کر مشاہدہ اور یقین کر لیں۔ ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ اس کے بعد بھی آپ یہی کہیں گے کہ **لانسلم**..... سو، منوانا ہمارا کام نہیں۔ ہمارا کام بتلانا ہے جو ہم نے بتلا دیا ہے۔

نو (۹) جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے احادیث بیان کر کے ثابت کیا ہے کہ قبر یہی گڑھے والی قبر مراد ہے۔ آپ دین کو اپنی سمجھ اور عقل کے مطابق سمجھنے کی کوشش نہ کریں بلکہ صحابہ کرام، ائمہ عظام وعلماء امت نے جیسے سمجھا اور سمجھایا ویسے سمجھیں اور ایمان بالغیب لائیں۔ آپ نے اپنے دوسرے مضمون ''سماع موتی'' میں حیات النبی ﷺ کے قائل جمہور علماء امت پر الزام لگایا ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی مانتے ہیں۔ یہ آپ کا بہتان ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات دنیوی کا کوئی بھی قائل نہیں، بلکہ حیات برزخی ہی کے قائل ہیں، اور قبر میں بھی حیات برزخی ہی ہے۔ نیز آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں حیات کے نہ صحابہ کرام قائل تھے نہ ائمہ عظام۔ آپ دیکھیں کہ کس بزرگ نے کیا فرمایا ہے۔

حدثنا هارون بن عبدالله اخبرنا حسین بن علی عن عبدالرحمٰن بن یزید بن جابر عن ابی الاشعث الصنعانی عن اوس بن اوس قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان من افضل ایاکم یوم الجمعة فیه خلق ادم و فیه قبض و فیه انخفخة و فیه الصعقة فاکثر و اعلی من الصلوٰة فان صلوتکم معروضة علی قال قالوا یارسول الله و کیف تعرض صلوتنا علیک وقد ارمت قال بقولون بلیت فقال ان الله عزوجل حرم علی الارض الاجساد الانبیاء: (سنن ابی داؤد جلد ا ص ۱۵۰، سنن نسائی جلد ا ص ۱۵۴، سنن ابن ماجہ ص ۷۷، سنن دارمی ص ۱۹۵، مستدرک حاکم جلد ا ص ۲۷۸، سنن کبریٰ بیہقی جلد ۳ ص ۲۴۸، طبرانی، کمافی نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۱۰، ص ۲۱۱، تفسیر ابن کثیر جلد ۳ ص ۵۱۴ وغیر ذالک..... بحوالہ ''حیات الانبیاء'' ص ۳۹۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ''زمین پر حرام ہے کہ انبیاء کے جسموں کو مٹی بنائے''.... صرف ''ارمت'' (آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے) کے مقابلے میں نہیں بلکہ ''کیف تعرض صلوٰتنا علیک'' کے جواب میں ہے یعنی ارشاد نبوت صرف یہ نہیں کہ انبیاء کرام کے اجسادِ مطہرہ مٹی کے ساتھ مٹی نہیں ہوتے بلکہ آپ کا منشاء یہ ہے کہ انبیاء کرام کے اجساد مطہرہ اس طرح محفوظ ہوتے ہیں کہ ان پر صلوٰۃ وسلام برابر پیش ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے کہ اصل سوال یہ تھا: کیف تعرض صلوتنا علیک وقدارمت

(ہمارا درود آپ پر کیسے پیش کیا جائے گا جبکہ آپ مٹی میں گھل چکے ہوں گے؟)

ظاہر ہے کہ یہاں جواب میں یہ مراد ہرگز نہیں کہ اجساد مطہرہ صرف اس طرح محفوظ ہیں کہ اپنی اپنی قبور میں محض بے شعور و بے حس پڑے ہیں بلکہ منشائے رسالت میں ایسی محفوظیت مراد ہے کہ ان پر صلوٰۃ وسلام پیش ہو سکے۔ اگر اجساد محفوظ پر صلوٰۃ وسلام پیش نہ ہوتا ہو اور انہیں اس صلوٰۃ وسلام کا شعور نہ ہوتا تو حدیث کے دونوں جملوں میں کوئی ربط نہیں رہتا۔ سوال و جواب کا اقتضاء یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسدِ اطہر محض بے شعور و بے حس اکراماً محفوظ نہ ہو بلکہ اس میں ایسی حیات ہو کہ اس پر صلوٰۃ وسلام پیش ہو سکے۔

اس حدیث کو صحیح قرار دینے والے ائمہ کرام ویسے تو سو سے زائد ہیں لیکن ''مقام حیات'' کے مصنف علامہ خالد محمود صاحب نے بتیس (۳۲) ائمہ کرام کے نام ذکر کئے ہیں جو کہ امام احمد، امام ابوداؤد سے لے کر حجۃ الاسلام علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہم اجمعین تک ہیں، اور آپ کہتے ہیں کہ آپ (ﷺ) کی حیات کا کوئی امام قائل نہیں۔ ان سب ائمہ کرام کے حوالہ جات تو نقل کرنے کی گنجائش نہیں۔ بطور نمونہ ایک دو حوالے نقل کیے جاتے ہیں۔ حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ روینا فی سنن ابی داؤد والنسائی و ابن ماجه بالا سانید الصحیحة عن اوس بن اوس الخ (کتاب الاذکار، کتاب الصلوٰة علی الرسول ص ۷۸)

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں:۔ **ومن تأمل هذا الاسناد لم يشك فى صحته لثقة رواته و شهر تهم وقبول الائمة وقبول الائمة حديثهم**:(**جلاء الافهام ص ٤٤**) ترجمہ:۔اور جس نے بھی اس حدیث کی سند میں غور کیا اسے اس حدیث کی صحت میں کوئی شک نہ رہا کیونکہ اس کے سب راوی ثقہ اور مشہور ہیں اور ائمہ حدیث نے ان سب کی روایت قبول کی ہیں۔مزید تفصیل کے لئے" مقامِ حیات" دیکھیں۔اب یہ روایت بھی دیکھیں کہ **حدثنا عمرو بن سعد المصرى حدثنا عبدالله بن وهب عن عمرو بن الحادث عن سعيد بن ابى هلال عن زيدبن ايمن عن عبادة نسئى عن ابى الدرداء قال قال رسول صلى الله عليه وسلم اكثر والصلوٰة على يوم الجمعة فانه مشهود تشهده الملئكة وان احداً من يصلى على الاعرضت على صلوته حتى يفرغ منها قال قلت وبعد الموت قال و بعد الموت ان الله حرم على الارض ان تأكل اجساد الانبياء فنبى الله حى يرزق**. (**ابن ماجه**)

ترجمہ:۔" عبادہ بن نسی حضرت ابودردا سے روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن مجھ پر کثرت سے درود پڑھا کرو کیونکہ اس دن فرشتے حاضر ہوتے ہیں،اور کوئی مجھ پر درود نہیں پڑھتا مگر یہ کہ اس کے فارغ ہوتے ہی وہ مجھ پر پیش کر دیا جاتا ہے۔ابودرداء کہتے ہیں،کہ میں نے پوچھا کہ کیا وفات کے بعد بھی آپ پر درود پیش ہوتا رہے گا؟ آپ نے فرمایا کہ(ہاں)وفات کے بعد بھی اس طرح پیش ہوتا رہے گا۔اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ انبیاء کے جسموں کو کھائے۔پس اللہ کا پیغمبر زندہ ہوتا ہے اور اسے رزق بھی دیا جاتا ہے۔"

باقی رہا یہ کہ آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچتا ہے،تو یہ دونوں صورتوں کو شامل ہے۔قریب سے ہو تو براہ راست اور دور سے ہو تو بتوسط ملائکہ۔یہ بات یقینی ہے کہ آپ کو صلوٰۃ وسلام پہنچتا ہے۔اس حدیث کے بارے میں صرف مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ علیہ کی تحریر نقل کی جاتی ہے۔فرماتے ہیں:

"اکثر شارحین نے ردروح کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قبر مبارک میں آپ کی روح پاک کی تمام تر توجہ دوسرے عالم کی طرف اور اللہ تعالیٰ کی جمالی اور جلالی تجلیات کے مشاہدہ میں مصروف رہتی ہے،پھر جب کوئی امتی سلام کرتا ہے اور وہ فرشتے کے ذریعہ سے یا براہِ راست آپ تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے اذن سے آپ کی روح(ایک جہت سے)اس طرف بھی متوجہ ہوتی ہے اور آپ سلام کا جواب دیتے ہیں بس اس روحانی توجہ والتفات کو روح سے تعبیر کیا گیا۔"(معارف الحدیث جلد۵ص ۳۷۶)

ایک اور حدیث ملاحظہ فرمائیں: **حدثنا ابوالجحهم الازرق بن على حدثنا يحىٰ بن ابى بكير حدثنا المستلم بن سعيد عن الحجاج عن ثابت عن انس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم**

الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون (مسند ابی یعلیٰ جلد ۳ ص ۳۷۹ حیات الانبیاء للامام البیھقی ص ۳ جمع الفوائد جلد ۲ ص ۱۷٦)

ترجمہ:۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء کرام اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں اور نمازیں بھی پڑھتے ہیں۔ اور..... رئیس المحدثین حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یرید بقولہ "الانبیاء احیاء" مجموع الاشخاص لا الارواح فقط

ترجمہ:۔ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اس حدیث سے کہ "انبیاء کرام زندہ ہوتے ہیں" یہی ہے کہ "مجموعہ اشخاص" فائز الحیات ہیں نہ کہ فقط ان کی ارواح زندہ ہیں۔" اور...... مختصراً عرض ہے کہ چالیس اکابر محدثین اور علماء کرام نے اس حدیث کے صحیح ہونے پر نص فرمائی ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے "مقام حیات" مصنفہ علامہ خالد محمود دیکھیں، (ص ۵۰۷، ۵۰٦) اس کے علاوہ حیات الانبیاء بیہقی ص ۱ شفاء السقام ص ۱۳٤ فتح الباری جلد ٦ ص ۳۵۲ فیض الباری ج ۲ ص ٦٤، فتح الملہم ج ۱ ص ۳۲۹ نیل الدوطار ج ۳ ص ۲٦٤ مرقاۃ ج ۲ ص ۲۱۲ فیض القدیر جلد ۳ ص ۱۸٤ وغیرہ پر دیکھیں۔ اس حدیث میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف یہی نہیں فرمایا کہ "الانبیاء احیاء" کہ انبیاء زندہ ہیں کیونکہ شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید انبیاء علیھم السلام کی روحانی زندگی کو بیان کیا جارہا ہے بلکہ "فی قبورھم ویصلون" کے الفاظ بڑھا کر ان کی حیات جسمانی کو واضح فرمادیا۔ "فی قبورھم" کے الفاظ سے اس بات کی وضاحت فرمادی کہ محل حیات وہی ہے جس کو قبر میں رکھا جاتا ہے اور قبر میں چونکہ جسم کو رکھا جاتا ہے لہٰذا محل حیات جسم ہے۔ پھر "یصلون" کے الفاظ فرما کر حیات جسمانی کو اور زیادہ واضح فرما دیا کیونکہ نماز پڑھنا جسم کا کام ہے صرف روح کا نہیں ہے۔ شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ..... "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں جیسا کہ اپنی جگہ پر یہ ثابت ہے اور آپ اپنی قبر میں اذان و اقامت سے نماز پڑھتے ہیں" (فتح الملہم ج ۳ ص ٤۱۹)۔ اسی طرح محدث العصر مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے جیسے اذان و اقامت کا ثبوت، الدارمی کی روایت میں اور قرأۃ قرآن کا ثبوت ترمذی کی روایت میں ہے" (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳)..... مدیر صاحب! اب آپ کس کس محدث کو ٹھکرائیں گے؟

ہم ہر نماز میں، التحیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اقرار کرتے ہیں کہ اشھدان محمداً عبدہ ورسولہ۔ "عبد" کسے کہتے ہیں..... روح اور بدن کے مجموعے کو! جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سبحٰن الذی اسریٰ بعبدہ:...... اللہ تعالیٰ نے معراج میں سیر کسے کرائی "عبدہ" کو!...... اسریٰ کا سفر کس نے کیا؟ روح اور بدن کے مجموعہ نے! اب سوال یہ ہے کہ آج، اس وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بندے اور رسول ہیں یا نہیں؟ صرف روح کو عبد

کہیں یا صرف بدن اور جسد کو عبد کہیں؟ صرف روح کو رسول کہیں یا صرف جسد کو رسول کہیں؟ نہیں..... بلکہ روح اور بدن دونوں کے مجموعہ کو عبد و رسول کہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے عالم برزخ کی وسعتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پھیلا رکھی ہیں اور حیات اسی بدن اطہر میں ہے جو دنیا میں تھا اور اب وہ بدن روضہ مبارک میں ہے اور اس کی نقل وحرکت عالم برزخ میں جاری ہے، گو وہ ہمیں یہاں دکھائی نہ دے، اس دنیا والوں سے وہ حیات پردہ میں ہو۔ آپ (ﷺ) اب عبـــــدہ و رسولہ کا مصداق ہیں۔ چنانچہ قاضی شمس الدین صاحبؒ (یکے از بزرگانِ شما) ''مسالک العلماء'' میں لکھتے ہیں کہ..... ''اسلام میں انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ وہ (اس زندگی) میں بھی نبی حقیقی ہیں وہ بعد الوفات (زندگی میں) بھی نبی حقیقی ہیں، ابدالآباد کے لئے۔ اور ان پر کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آتا کہ وہ اس میں نبی حقیقی نہ ہوں بلکہ حکمی یا مجازی ہوں''

مدیر صاحب! غصہ تھوک دیجئے اور جمہور علماء کے مسلک کو اپنایئے۔ یہ مسلک صرف حضرت سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ، کا نہیں بلکہ جمہور علماء کا ہے۔ آپ صرف حضرت بخاری صاحب کو مورد الزام کیوں ٹھہراتے ہیں؟ انہوں نے یہ عقیدہ اپنی طرف سے نہیں گھڑا بلکہ جمہور علماء اہل سنت والجماعت کا عقیدہ نقل کیا ہے۔ مفتی رشید احمد صاحب ''احسن الفتاویٰ'' میں لکھتے ہیں کہ ..... ''اسلام میں ایسا وقت آ ہی نہیں سکتا کہ قرآن وحدیث صرف صحائف کی شکل میں رہ جائیں اور ان کے الفاظ ومعانی کی حامل کوئی جماعت نہ ہو۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ایک جماعت قیامت تک حق پر قائم رہے گی اور دین قیم اور صراط مستقیم کی حفاظت کرتی رہے گی۔ پس معلوم ہوا کہ معیارِ حق پہ رجال اللہ کی جماعت ہے، اور جو لوگ اس کے ساتھ وابستہ ہوں گے۔ اور جس فرد یا جماعت نے انکا دامن چھوڑا، وہ خواہ کتنے ہی دعوے اتباع قرآن وحدیث کے کرتے رہیں، اہل حق ہرگز نہیں ہو سکتے۔ اہل حق کا لقب اہل سنت والجماعت اس لئے پڑا کہ یہ لوگ قرآن کو سنت سے، اور قرآن وسنت دونوں کو، رجال اللہ کی جماعت سے سمجھتے ہیں''۔ (احسن الفتاویٰ، ج ۱ ص ۳۰۶)

مدیر صاحب! اب بتایئے کہ جماعت کثیر اہل حق دائمہ حضرت سید عطاء المہیمن بخاری شاہ صاحب مدظلہ، کے ساتھ ہیں یا آپ کے ساتھ ہیں؟ رجال اللہ کی جماعت کا دامن تو آپ حضرات نے چھوڑا ہے۔ یہ ''مماتؔ'' والا مسئلہ تو مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب گجراتی (مرحوم ومغفور) نے ۱۹۵۸ء میں شروع کیا۔ پھر آہستہ آہستہ کام بڑھتا گیا، یہاں تک کہ اس انفرادیت پسندی، تفرد پرستی اور اختلاف پروری نے متانت ودیانت اور اخلاق وشائستگی کی سبھی حدود پامال کر ڈالیں۔ بعد ازاں مولانا غلام اللہ خان صاحب نے اپنے رسالہ ماہنامہ ''تعلیم القرآن'' کی اشاعت ماہ ستمبر ۱۹۵۹ء میں ایک فتویٰ شائع کیا جس کی تحریر یوں ہے کہ ..... ''عند القبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سماع بلاشبہ ثابت ہے خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے اور آپ کے سماع میں تو کچھ شبہ ہی نہیں''۔ اس فتوی پر مولانا غلام اللہ

خان کے دستخط بھی موجود ہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ حیات بعد الممات اور سماع عند القبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مجوزہ تحریر کہ ..... ''وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں''..... اس تحریر پر حضرت مولانا غلام اللہ خان نے دستخط کئے تھے؟ اگر انہوں نے دستخط کئے تھے تو پھر اب جھگڑا کس چیز کا؟ کیا یہ عقیدہ رکھنے کی وجہ سے بندہ مشرک ہو جاتا ہے؟ (العیاذ باللہ)۔ کچھ خوف خدا کیجئے۔

مدیر صاحب! کچھ عرصہ قبل عصمت اللہ بن احمد سعید چترڑی کی طرف سے ایک استفتاء شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے آپ کی جماعت ''اشاعت التوحید'' کے امیر مولانا محمد طیب پیچ پیری سے سوال کیا ہے اور مولانا محمد طیب نے ان الفاظ کے ساتھ فتوی دیا ہے کہ ''ہم بھی اکابر علماء دیوبند کی طرح سماع درود وسلام عند القبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل ہیں اور ہمارا بھی یہی عقیدہ ہے'' آپ مزید وضاحت کے لئے اپنے امیر صاحب سے رابطہ تو قائم کریں، نیز اسی استفتاء میں یہ عبارت بھی منقول ہے کہ ''مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کا وہی عقیدہ ہے جس کو اس جماعت کے بانی شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب اور مولانا قاضی نور محمد صاحب نے لکھا ہے اور لکھ کر اس پر دستخط بھی کر دیئے ہیں کہ وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر شریف کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضہ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا صلوٰۃ وسلام آپ خود سنتے ہیں''۔ جی اب فرمایئے! آپ کی جماعت کے بانی مبانی تو فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، قبر مبارک میں بہ تعلق روح حیات ہیں اور روضۂ اطہر پر حاضر ہو کر صلوٰۃ وسلام پڑھنے والے کا، آپ درود سنتے ہیں۔ اور آپ کہتے ہیں کہ نہیں، آپ کا (ﷺ) جسد اطہر صرف اکراماً محفوظ ہے اور آپ کا جسد اطہر روضہ منورہ میں محض بے جان بے حس و بے شعور ہے اور روح مبارک کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ اب تو آپ کے گھر کی گواہی آ گئی ہے۔ غصہ ابن امیر شریعت حضرت شاہ صاحب مدظلہ پر ہے۔ اب بھی کہہ دیجئے کہ راوی ضعیف ہے۔

مدیر صاحب! آپ کی مزید تسلی کے لئے مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مؤلفہ ''سیرۃ المصطفیٰ'' صلی اللہ علیہ وسلم کا حوالہ بھی حاضر ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ: ''تمام اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہ الصلوٰۃ والسلام وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نماز اور عبادت میں مشغول ہیں اور حضرات انبیاء کرام کی یہ برزخی حیات اگرچہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی لیکن بلاشبہ یہ حیات حسی اور جسمانی ہے اس لئے کہ روحانی اور معنوی حیات تو عامہ مومنین بلکہ ارواح کفار کو بھی حاصل ہے''۔ (سیرۃ المصطفیٰ جلد ۲ ص ۳۴۵)۔ آپ مزید لکھتے ہیں کہ ''نیز حدیث میں ہے..... **ما من احد یمر بقبر اخیه المؤمن کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الاعرفه ورد علیه**

السلام، رواہ ابن عبدالبر وصححہ ابو محمد عبدالحق، وقال صلی اللہ علیہ وسلم ان المیت لیعرف من یغسلہ ویحملہ ویدلیہ فی قبرہ، رواہ احمد وغیرہ. (شرح مواہب اللدنیہ ج۵ ص ۳۳٤)

ترجمہ:۔ ''جو شخص اپنے مؤمن بھائی کی قبر پر گزرے جس کو مرنے سے پہلے وہ دنیا میں پہچانتا تھا اور اس پر سلام کرلے تو وہ مردہ بھی اس کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔'' اس حدیث کو حافظ ابن عبدالبر نے روایت کیا اور شیخ عبدالحق نے اس کو صحیح بتایا نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''تحقیق، مردہ اس شخص کو پہچانتا ہے جو اس کو غسل دے اور اس کو اٹھائے اور اس کی قبر میں اتارے۔'' اس حدیث کو امام احمد وغیرہ نے روایت کیا ہے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ج۲ ص ۳٤۵)۔ مولانا کاندھلویؒ مزید لکھتے ہیں کہ شیخ تقی الدین سبکیؒ فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم (رضی اللہ عنھما) مسجد نبوی میں آواز بلند کرنے کو ناپسند فرماتے تھے اور جو شخص مسجد نبوی میں آواز بلند کرتا تو اس کو یہ فرماتے....

لقد اذیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی قبرہ. (زرقانی شرح مواہب ج۲ ص۳۳٦)

''تحقیق، تو نے آواز بلند کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر میں ایذا پہنچائی''

معلوم ہوا کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم (رضی اللہ عنھما) کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، قبر مبارک میں اسی جسم اطہر کے ساتھ زندہ ہیں اور جس طرح بحکم خداوندی **لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی ولا تجھر والہ بالقول**..... اس حیات دنیوی میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے بلند آواز سے بولنا ممنوع تھا، اس طرح اب اس حیات برزخیہ میں آپکے سامنے بلند آواز سے بولنا ممنوع ہے، اور ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا کا یہ حال تھا کہ اگر مسجد نبوی کے متصل مکانات میں دیوار میں کسی کیل اور میخ کے ٹھونکنے کی آواز حجرۂ نبوی تک پہنچتی تو عائشہ صدیقہؓ فوراً کہلوا بھیجتیں **لاتؤذوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیل اور میخ ٹھونکنے کی آواز سے تکلیف مت پہنچاؤ (سیرت المصطفیٰ ص ۳٤۹)۔ اب بھی فرمایئے کہ راوی ضعیف ہے..... لانسلم!.....

حضرت مدیر صاحب! اب غصے کو جانے دیجئے اور علماء حق کی بات مان لیجئے۔

آخر میں ایک واقعہ بھی آپکو سناتا چلوں کہ مورخہ ۲۲ جنوری ۲۰۰۱ء بروز پیر فیصل آباد میں ہونے والے علماء کنونشن کے اجلاس میں راقم الحروف حضرت ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ، کے ہمراہ تھا، جس میں کراچی سے لیکر پشاور تک کے تمام جید علماء کرام و مفتیان عظام تشریف لائے۔ تقریباً چار بجے مولانا ضیاء القاسمی مرحوم کی قیام گاہ پر ایک پریس کانفرنس تھی۔ اس کانفرنس کے شروع ہونے سے قبل تمام جید علماء کی موجودگی میں مولانا پیر سیف اللہ خالد (لاہور) نے مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کر کے تمام علماء کو فرمایا کہ آج تمام علماء اکٹھے بیٹھ کر کیسے اچھے لگ رہے ہیں۔ اے کاش علماء اپنے اختلافات ترک کر کے، ایک ہی لائحہ عمل تیار کر کے، اتفاق و اتحاد کی فضا پیدا کریں۔ مجمع

میں سے شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید صاحب (باب العلوم کہروڑ پکا) نے فرمایا کہ زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، علماء کرام تشریف فرما ہیں، حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کی مجوزہ تحریر پر اب بار دگر تمام علماء کرام دستخط کر دیں۔ ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن شاہ صاحب بخاری مدظلہ نے مولانا کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ جید علماء کرام ومفتیان عظام تشریف فرما ہیں، آپ حضرات وضاحت سے فرمادیں کہ جو شخص یہ کہتا ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے موت کے ذریعہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پیس چھوڑا ہے۔'' کیا ایسا گندا عقیدہ رکھنے والا شخص گستاخ نبی نہیں؟ آپ نے وہاں بھی صاف صاف فرمادیا کہ ہم ایسے گندے اور خراب عقیدہ رکھنے والے گستاخ نبی کے ساتھ نہیں چل سکتے۔ اس وقت وہاں پر جناب مولانا اشرف علی فرزند حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ اور جناب قاضی عصمت اللہ صاحب، حضرت شاہ صاحب کے پیچھے متصل کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ وہاں پر دونوں حضرات کیوں خاموش بیٹھے رہے؟ گویا اُن کی خاموشی حضرت پیر جی مدظلہ کے مؤقف کی تائید تھی۔ ورنہ وہ علماء کو صاف کہہ دیتے کہ اس مسئلہ پر آپ سب حق پر نہیں ہیں۔ حق تو صرف ''اشاعۃ التوحید والسنۃ'' کے ساتھ ہے۔ واضح رہے کہ مولانا محمد اشرف علی علماء کونسل کے ایک اجلاس میں حضرت پیر جی مدظلہ کے استفسار پر، انہیں ذاتی طور پر یہ فرما چکے ہیں کہ مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان پر بعض لوگ جو بدتمیزی کر رہے ہیں وہ اس سے بری ہیں۔ اُن کا قطعاً وہ عقیدہ نہیں، اور نہ اُن کے والد حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ کا یہ عقیدہ تھا۔ حضرت پیر جی مدظلہ نے انہیں بتایا کہ مدینہ منورہ کے قیام کے دوران میں نے خود حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ کو روضہ اقدس پر حاضری کے موقع پر ہدیہ صلوٰۃ وسلام پیش کرتے دیکھا ہے۔

ہمیں یاد آیا کہ ''اشاعت'' کے ایک بزرگ مولانا عبدالغنی جاجرویؒ کے شیخ ومرشد حضرت مولانا حماد اللہ صاحب ہالیجوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا مسلک اپنی کتاب ''تحفۃ المساکین'' میں لکھا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہ السلام اپنی اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ (تحفۃ المساکین ص ۳۰، ۳۱)

اب فیصلہ کیجئے کہ ان کے شیخ کا عقیدہ حیات کا ہے اور انکا عقیدہ ممات کا۔ اب شیخ حق پر ہیں یا مرید؟ اکابر امت کے حق میں کفر وشرک کے دوٹوک فیصلے، جتنی عجلت میں آپ حضرات فرماتے چلے آرہے ہیں، اسی کے پیش نظر، یہ فیصلہ کرنے کی درخواست کی جارہی ہے۔

والسلام

ابومعاویہ محمد فقیر اللہ رحمانی چوہان

(رحیم یار خان)

سید محمد کفیل بخاری

معرکۂ حق و باطل

حضرت امیر شریعت اور جسٹس منیر کا مکالمہ

کمرہ عدالت میں ایک تاریخی مکالمہ، جس نے قادیانیوں اور ان کے حاشیہ برداروں کو مبہوت کر دیا

۱۹۵۳ کی تحریک ختم نبوت، اپنے شباب پر پہنچ کر مائل بہ اختتام تھی۔ تحریک کی قیادت اور ہزاروں کارکن جیلوں میں بند تھے۔ ''عدالتی تحقیقات'' کے لئے جسٹس منیر اور ایم آر کیانی پر مشتمل کمیشن (لاہور ہائی کورٹ) سماعت کر رہا تھا۔ جسٹس منیر متعصب قادیانی نواز تھا۔ وہ علماً کو کمرۂ عدالت میں بلا بلا کر بے عزت کر رہا تھا۔ تحریک ختم نبوت کو'' احرار، احمدی نزاع'' اور ''فسادات پنجاب کا نام'' دیتا تھا۔ اسلام کو موضوع بحث بنا کر علما کا مذاق اڑا رہا تھا، اور اپنے قادیانی آقاؤں اور محسنوں کو خوش کر رہا تھا۔

لیکن... ایک دن وہ اپنی ہی عدالت میں پکڑا گیا۔ اس نے مجدد تحریک تحفظ ختم نبوت، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری (علیہ الرحمۃ) کو عدالت میں طلب کر لیا۔ حکومت نے بیان داخل کرنے کے لئے امیر شریعتؒ کو سکھر جیل سے لاہور سنٹرل جیل منتقل کر دیا۔ پیشی کی تاریخ پر امیر شریعتؒ اور ان کے قیدی رفقا کو سخت پہرے میں عدالت میں لایا گیا۔

عدالتی ہرکارے نے آواز لگائی: سرکار بنام عطاء اللہ شاہ بخاری وغیرہ وغیرہ۔

اب، اسیر ختم نبوت امیر شریعتؒ، پورے قلندرانہ جاہ وجلال اور ایمانی جرأت و وقار کے ساتھ کمرۂ عدالت میں داخل ہوئے۔ سرفروشانِ احرار نے پورے ہائی کورٹ کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔

عدالت کے دروازے پر ہزاروں فدائینِ ختم نبوت اور شمعِ ناموس رسالت کے پروانے نعرہ زن تھے۔ نعرۂ تکبیر ----- اللہ اکبر، تاج و تخت ختم نبوت ----- زندہ باد، مرزائیت ------ مردہ باد۔ امیر شریعتؒ نے عدالت کے دروازے پر کھڑے ہو کر جھٹکڑیاں فضا میں لہرائیں اور ہاتھ سے اشارہ کیا۔

مجمع وارفتگی سے پوچھ رہا تھا:

سیّدی، مرشدی!

کہیے کیا حکم ہے؟ دیوانہ بنوں یا نہ بنوں؟

حکم ہوا----- خاموش!

تمام مجمع ساکت و جامد!

امیر شریعتؒ، عدالت میں داخل ہو گئے۔

جسٹس منیر ----- بغض وحسد سے بھرا ہوا، غصے سے لال پیلا، گردن تنی ہوئی اور تکبر وغرور کا پیکر ناہنجار بنا کرسی پر بیٹھا تھا۔

مردِ مومن کے چہرۂ انور پر نگاہ پڑی تو اس کی آنکھیں جھک گئیں۔

جسٹس منیر دوسری مرتبہ آنکھ اٹھا کر دیکھنے کی ہمت نہ کر سکا۔

کارروائی شروع ہوگئی۔

امیر شریعتؒ نے اپنا تحریری بیان عدالت میں پیش کیا۔ جسٹس منیر نے ایک نظر بیان کو دیکھا (جسے اُس نے ''منیر انکوائری رپورٹ'' میں شامل نہیں کیا) اور پھر اپنے مخصوص چبھتے ہوئے انداز میں سوالات کا آغاز کر دیا۔

جسٹس منیر: ہندوستان میں اس وقت کتنے مسلمان ہیں؟

امیر شریعتؒ: سوال غیر متعلق ہے، مجھ سے پاکستان کے مسلمانوں کے بارے میں پوچھیں۔

جسٹس منیر: (تمسخر آمیز لہجے میں) ہندوستان اور پاکستان میں جنگ چھڑ جائے تو ہندوستان کے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے؟

امیر شریعتؒ: ہندوستان میں علماء موجود ہیں، وہ بتائیں گے۔

جسٹس منیر: (طنز کرتے ہوئے) آپ بتا دیں؟

امیر شریعتؒ: پاکستان کے بارے میں پوچھیں، یہاں کے مسلمانوں کو کیا کرنا چاہیے۔

جسٹس منیر: مسلمان کی تعریف کیا ہے؟

امیر شریعتؒ: اسلام میں داخل ہونے اور مسلمان کہلانے کے لئے صرف کلمہ شہادت کا اقرار واعلان ہی کافی ہے، لیکن اسلام سے خارج ہونے کے ہزاروں روزن ہیں۔ ضرورتِ دین میں کسی ایک کا انکار کفر کے ماسوا کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ میں سے کسی ایک کو بھی انسانوں میں مانا تو مشرک، قرآن کریم کی کسی ایک جماعت یا آیت یا جملہ کا انکار کیا تو کافر، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب ختم نبوت کے بعد کسی انسان کو کسی بھی حیثیت میں نبی مانا تو مرتد۔

جسٹس منیر: (قادیانی وکیل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ان کے بارے میں کیا خیال ہے؟

امیر شریعتؒ: خیال نہیں عقیدہ۔ جو ان کے بڑوں کے بارے میں ہے۔

مرزائی وکیل: نبی کی تعریف کیا ہے؟

امیر شریعتؒ: میرے نزدیک اسے کم از کم ایک شریف آدمی ہونا چاہیے۔

جسٹس منیر: (بدتمیزی کے انداز میں) آپ نے مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر کہا ہے؟

امیر شریعتؒ: میں اس سوال کا آرزومند تھا۔ کوئی بیس برس ادھر کی بات ہے یہی عدالت تھی جہاں آپ بیٹھے ہیں، یہاں

چیف جسٹس، مسٹر جسٹس ڈگلس ینگ تھے۔ اور جہاں مسٹر کیانی بیٹھے ہیں، یہاں رائے بہادر جسٹس رام لال تھے۔ یہی سوال انہوں نے مجھ سے پوچھا تھا۔ وہی جواب آج دہراتا ہوں۔ میں نے ایک بار نہیں ہزاروں مرتبہ، مرزا کو کافر کہا ہے، کافر کہتا ہوں اور جب تک زندہ ہوں کافر کہتا رہوں گا۔ یہ میرا ایمان اور عقیدہ ہے اور اسی پر مرنا چاہتا ہوں۔ مرزا قادیانی اور اس کی ذریت کافر و مرتد ہے۔ مسیلمہ کذاب اور ایسے ہی دیگر جھوٹوں کو دعویٰ نبوت کے جرم میں قتل کیا گیا۔

جسٹس منیر: (غصے سے بے قابو ہو کر، دانت پیستے ہوئے) اگر غلام احمد قادیانی آپ کے سامنے یہ دعویٰ کرتا تو آپ اسے قتل کر دیتے؟

امیر شریعتؒ: میرے سامنے اب کوئی دعویٰ کر کے دیکھ لے!

حاضرینِ عدالت: نعرۂ تکبیر، اللہ اکبر، ختم نبوت.... زندہ باد، مرزائیت مردہ باد...... کمرۂ عدالت لرز گیا۔

جسٹس منیر: (بوکھلا کر) توہینِ عدالت.......!

امیر شریعتؒ: (جلال میں آ کر) توہین رسالت........!

جسٹس منیر------ دم بخود، خاموش، مبہوت، حواس باختہ، چہرہ زرد، ہوش عنقا---- پیشانی سے پسینہ پونچھنے لگا۔

''عدالت'' امیر شریعت کی جرأت ایمانی اور جذبۂ حب رسول اللہ علیہ وسلم دیکھ کر سکتے میں آ چکی تھی۔

امیر شریعتؒ: (گرج دار آواز میں) کچھ اور........؟

جسٹس منیر: (پریشانی میں بڑبڑاتے ہوئے) میرا خیال ہے ہمیں مزید کچھ بھی نہیں پوچھنا!

عدالت برخواست ہو جاتی ہے۔

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن کے
سپئر پارٹس تھوک و پرچون ارزاں
نرخوں پر ہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9 کالج روڈ ڈیرہ غازی خان
فون: 0641-462501

دورِ جدید کی اعلیٰ فینسی ورائیٹی کا مشہور مرکز

عمر فاروق ہارڈ ویئر
پینٹس اینڈ مل سٹور

عمارتی و صنعتی سامان، ہارڈ ویئر، پینٹس،
ٹولز، بلڈنگ میٹریل، گورنمنٹ کے منظور شدہ
کنڈے، باٹ و پیمانہ جات

صدر بازار ڈیرہ غازی خان فون 0641-462483

شورش کاشمیریؒ

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ.....ایک باغ و بہار شخصیت

شاہ جیؒ کے ساتھ میں کچھ دن جیل میں رہا۔ ہفتوں ریل میں، مہینوں دفتر میں اور برسوں احرار میں۔ اس اثنا میں، کُھل کر اور کُھل کر سامنے آتے رہے۔ قرب کا یہ عالم اکثر شخصیتوں کا بھرم کھول دیتا ہے۔ لیکن شاہ جیؒ میں ایک بڑے انسان کی وہ تمام خصوصیتیں موجود تھیں جو قریب ہونے سے اور نکھرتی اور بکھرتی ہیں۔ فی الواقعہ وہ بڑے ہی آب و رنگ کے انسان تھے۔ وہ خصائص کا ایک مرقع تھے۔ انہیں یہ ملال یا خیال کبھی نہیں رہا کہ لوگ ان کے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟ البتہ جو شخص ان کے نزدیک ہوا ان کے محاسن کا گرویدہ ہوتا گیا۔ اور وہ ہمیشہ گردوپیش کے لوگوں پر، اپنا نقش جماتے رہے۔ عربی کی مشہور کہاوت ہے کہ حسن وہ ہوتا ہے جس کا سوکنوں کو بھی اقرار ہو۔ اس طرح ایک یورپی دانشور کا قول ہے کہ کوئی شخص گھر کا ہیرو نہیں ہوتا، لیکن شاہ جیؒ کا معاملہ یہ تھا کہ وہ گھر کے ہیرو بھی تھے اور ''سوکنوں'' میں بھی ان کے حسن کا چرچا تھا۔ عمر بھر کے ساتھی انہیں اپنا سردار مانتے اور باکمال لوگ، اختلاف پر بھی، ان کے کمال کا اعتراف کرتے تھے۔ اردو زبان نے غالباً اتنا بڑا خطیب پیدا ہی نہیں کیا۔ عامۃ الناس میں ایک زبردست مقرر کی حیثیت سے معروف تھے۔ ایک خاص موقع پر علماء نے انہیں امیر شریعت کا خطاب دیا۔ اگر احرار کو ایک جسم فرض کیا جائے تو وہ اس کے روح رواں تھے۔ لیکن من حیث المجموع وہ کمالات فائقہ کا ایک پیکر تھے۔ ان کی زندگی کے بے شمار گوشے سامنے آچکے ہیں۔ لیکن بعض پہلو ایسے بھی ہیں جو ان کی عظیم خطابت تلے دب کر رہ گئے ہیں۔ وجہ یہ ہوئی کہ وہ قلم کے آدمی نہیں تھے۔ بارہا ان پر زور دیا کہ وہ اپنے سوانح حیات قلمبند کریں، مگر وہ طرح دیتے رہے، تحریر کو فتنہ گردانتے تھے۔ ان کا یہ عجیب و غریب خیال تھا کہ جب سے قلم اور کاغذ پیدا ہوئے ہیں، انسان فتنوں کا شکار ہو گیا ہے۔ وہ قلم کی کاٹ کو تلوار کی کاٹ سے زیادہ مہلک قرار دیتے اور اس کے زہر کو ہر حالت میں آبِ گسل سمجھتے تھے۔ میں نے جب کبھی، ان کی سوانح عمری کا قصد کیا، وہ نہ صرف مہر بلب ہو گئے، بلکہ حوصلہ شکنی کی۔ میرے قلم سے جو سوانحی خاکہ نکلا، شاہ جی نے پہیم اصرار کے باوجود اس کا مسودہ سننے سے اعراض کیا۔ فرماتے تھے، میں کوچہ کا آدمی نہیں۔ اخباروں کے معاملہ میں بھی ان کا یہی حال تھا۔ وہ انٹرویو دینے سے کتراتے تھے۔ انہیں یہ خیال مطلق نہیں ہوتا تھا کہ ان کی تقریر کسی اخبار میں چھپی ہے یا نہیں؟ رہا تصویر کا سوال تو وہ اس کے سخت مخالف تھے۔ اس زمانے کے اخبارات اٹھا کر دیکھ لیجئے کسی اخبار میں ان کی کسی تقریر کا ذکر ہو تو الگ بات ہے، لیکن کسی موضوع پر کوئی بیان دینے یا چھپوانے کے قائل ہی نہ تھے۔ وہ تسلیم کرتے تھے کہ اس زمانہ میں اخبارات سے پناہ مانگتے تھے۔ خطوط کا جواب بھی شاذ ہی دیتے تھے۔ رسمی یا سرسری جواب کی بات دوسری ہے لیکن اس قسم کے خطوط، جو بڑے آدمیوں کی سوانح عمریوں کا ماخذ ہوتے ہیں، ان کے قلم سے نہیں نکلے۔ خود احرار نے، کئی وقفوں سے مختلف اخبار جاری کئے

مگر اپنے قلم سے ایک حرف بھی نہ لکھا۔ روزنامہ ''آزاد'' میں جو دو چار مضمون، ان سے منسوب ہو کر چھپے، وہ راقم الحروف کے قلم سے تھے۔ ان کا مواد مختلف نشستوں کی گفتگو میں جمع کیا، انہیں سرے سے یہ پتہ ہی نہ لگنے دیا کہ جو سوال ان سے پوچھے جا رہے ہیں، کسی تحریر کے لئے ہیں۔ انہیں معلوم ہوتا تو لازماً پہلو تہی فرماتے۔ وہ صرف خطابت یا گفتگو کے شناور تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس ملک میں پیدا ہوئے وہ اس جیسے ملک کے لئے نہ تھے، جس قوم کو انہوں نے خطاب کیا اس کا مزاج، صدیوں کی گردش نے بگاڑ دیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے لئے ناموزوں تھے۔ یہ فیصلہ کرنا بھی مشکل ہے کہ انہیں کب پیدا ہونا چاہیے تھا اور وہ اس عہد و محل کے آدمی تھے یا نہیں؟ وقت سے پہلے پیدا ہو گئے یا وقت کے بعد؟ اس قسم کے سوال عموماً خوش فکری کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ قدرت ہر انسان کو اس کے عہد اور محل کے مطابق پیدا کرتی ہے۔ شاہ جیؒ کے لئے یہی زمانہ، یہی زمین، یہی قوم اور یہی حالات قدرت نے تجویز کئے تھے۔ انہوں نے جس ولولے یا انہماک کے ساتھ اپنے فرائض ادا کئے وہی ان کے سوانح و افکار کی تصویر ہیں۔ خود مانع نہ ہوتے تو ان کی شبانہ روز گفتگوئیں اتنی جامع تھیں کہ کئی دفتر تیار ہو سکتے تھے۔ جن لوگوں نے ہماری ''تاریخ کے مختلف دور مرتب کئے' اس ملک یا اس قوم کے لئے بہت کچھ چھوڑ گئے۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ اپنے قلم یا زبان سے انہوں نے ان واقعات و حالات کو مدون نہ کیا۔ جن میں سے وہ خود گزرے تھے۔ اور اپنے ساتھ اس قوم کو بھی گزارا تھا۔ سینکڑوں واقعات ہمارے سامنے سے نکل چکے ہیں، ہمیں ان واقعات کے پس منظر و پیش منظر کا بھی علم ہے۔ لیکن جن افراد و اشخاص نے ان واقعات کو پیدا کیا، ان کے عجز و انکسار یا اعراض و انکار نے اصلیتوں کا رخ پھیر دیا۔ نتیجتاً حقیقتیں سخن سازوں کے ہتھے چڑھ کر کچھ سے کچھ ہو گئیں۔

شاہ جیؒ گو ایک تاریخ تھے، انہوں نے تاریخ بنائی، تاریخ کا ساتھ دیا، تاریخ کے ہمراہ چالیس سال تک سفر کیا۔ چنانچہ جب کبھی موج میں ہوتے تو واقعات کے دفتر کھل جاتے۔ انہوں نے مخالف و موافق سبھی تحریکوں کو دیکھا، پڑھا، جانچا، تولا، حصہ لیا، بلکہ ان تحریکوں میں سے بعض کو اجالا، اچھالا، چلایا بلکہ دوڑایا۔ وہ خود ایک رہنما تھے، انہیں رہنما بھی ملے، اور راہرو بھی۔ جس آزادی کا یہ برعظیم مالک ہے اس کا ہر دور ان کی صداؤں سے معمور رہا۔ وہ ہر رہنما سے واقف تھے۔ انہوں نے تحریکوں کو نچوڑا تھا۔ افراد و اشخاص اور مجالس و جماعات پر جب کبھی وہ تجزیاتی تبصرہ کرتے تو اصولاً تاریخ کا ایک عظیم سرمایہ کھلتا اور بکھرتا چلا جاتا تھا۔ لوگ سنتے اور پھر سر دھنتے تھے، انہیں کوئی چُنتا اور بُنتا نہیں تھا۔ ۱۹۴۷ء میں جب ملک بھر میں فسادات کا لاوا پھوٹا تو شاہ جیؒ امرتسر سے اٹھ کر لاہور آ گئے۔ یہاں دفتر احرار میں کئی ماہ قیام کیا۔ صبح و شام محفلیں جمتیں، تب پہلی دفعہ پتہ چلا کہ یہ عظیم انسان محض خطیب ہی نہیں بلکہ ایک نابغۂ روزگار شخصیت ہے، جو اپنے اندر کیا کچھ نہیں رکھتی ہے۔

شاہ جیؒ کے تحریک خلافت سے لے کر تحریک پاکستان کے حالات کو بڑے شرح و بسط سے بیان کیا۔ واقعات

بیان کرتے ہوئے جوش وغضب میں آ جاتے، پھران کے گھنگھریالے بال، خیال یار کی طرح بل کھانے لگتے، چہرہ تمتما اٹھتا، لہجہ مُغنی سے مجاہد کا ہو جاتا۔ نفیر میں تلوار کی سی تیزی آ جاتی۔ معلوم یا محسوس یہ ہوتا کہ دریا میں طغیانی آ گئی ہے۔ اور ہم اس میں بہے چلے جا رہے ہیں۔ دماغ سوچتا کہ یہ مجذوب اور قلندر کی باتیں ہیں، ان میں ایک سیاستدان کا عمق نہیں۔ یہ ایک ایسے شخص کے نعرہ ہائے رستاخیز ہیں جو سیاسیات کے پیچ ضرور لڑا تا رہا ہے مگر جوز توڑ کا آدمی نہیں۔ اس وقت شاہ جیؒ کی باتوں میں غصہ وغضب دونوں ہوتے، خیال ہوتا کہ بادل میں نکل جائیں گے۔ ہمارے کتابی پیمانوں کے مطابق شاہ جیؒ کے ''فرمودات'' زیادہ سے زیادہ فقیر کی گدڑی کے پیوند ہیں، لیکن جب نتائج سامنے آئے اور آثار ومظاہر کا نقشہ بندھا تو معلوم ہوا کہ شاہ جی جو کچھ کہہ رہے تھے پوری تصویر اسی کے مطابق ہے۔ ہر نگینہ اپنی انگوٹھی میں لگا ہوا ہے ہر پھول شاخ پر ہے۔

آجکل سیاسیات میں جھوٹ بولنا گویا قومی روزمرہ ہے۔ لیکن شاہ جیؒ کے بارے میں یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ انہوں نے زندگی بھر جھوٹ نہیں بولا۔ ان کے دماغ نے فیصلوں میں غلطی کی ہوگی، آخر وہ ایک انسان ہی تھے لیکن ان کا دل ہمیشہ سچا رہا اور غالباً یہی سبب تھا کہ وہ کڑی سے کڑی افتاد میں بھی صحیح نکل آتے تھے۔ وہ بظاہر مُلا تھے، لیکن حقیقتاً مُلا نہ تھے۔ وہ بیسیوں دماغوں کا خلاصہ اور سینکڑوں تقریروں کا مرقع تھے۔ خطابت کا وصف تو خیران کا خانہ زاد تھا، قدرت نے انہیں عقلوں کے شکار کا سحر بخشا تھا۔ جو قدرت انہیں زبان وبیان پر تھی وہ بڑے بڑے انشا پردازوں میں ہی ہوتی ہے۔ فرماتے تھے اردو زبان ماں کے دودھ سے حاصل کی ہے، شاد عظیم آبادی کی گود میں کھیلا ہوں۔ ادب وشعر کے تمام اصناف سے باخبر تھے، ہزاروں اشعار ازبر تھے۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ کی طرح انہیں بھی اپنے حافظہ پر بڑا ناز تھا۔ عربی، فارسی، اردو، پنجابی کے اشعار ولطائف کا ایک دفتر دماغ میں محفوظ تھا۔ موقع اور محل کی مناسبت سے سماں باندھ دیتے تھے۔ آواز خوش اور گلا نورانی پایا تھا۔ قرآن پڑھتے تو معلوم ہوتا کہ روحیں شکار ہوگئی ہیں۔ طبیعت پر کوئی بند نہ تھا۔ لفظ، محاورے، یا روزمرہ کی غلطی پر فوراً ٹوک دیتے تھے۔ ان کے ہاں قدیم وجدید کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ خود ان لوگوں میں سے تھے جو ماضیٔ مرحوم میں زندگی بسر کرتے ہیں لیکن حال یہ تھا کہ بوڑھوں میں جوان تھے، اور جوانوں میں بوڑھے۔ کسی سے شدید اختلاف کے باوجود اس کے اوصاف کو رد نہ کرتے تھے۔ ان کے احباب کا ایک خاص حلقہ تھا۔ علامہ اقبالؒ سے آخر تک تعلق خاطر رہا، وہ یا پیر کہہ کر مخاطب فرماتے، آپ یا مرشد کہہ کر پکارتے، پھر دیر تک شاعری کا دور چلتا۔ حضرت علامہ اکثر اپنا کلام ان سے سنتے، بار ہا راز ونیاز کی باتیں بھی ہوتیں۔ نیاز مندان لاہور یعنی عبدالمجید سالک، محمد دین تاثیر، چراغ حسن حسرت اور احمد شاہ بخاری (پطرس) سے ایک زمانہ کے دوستانہ تعلقات تھے۔ یہ چاروں قلم کے دھنی تھے۔ عبدالمجید سالک سے ایک زمانہ میں ایسی کھنچی کہ ٹوٹ گئی لیکن آزادی کے بعد، یا آزادی سے کچھ پہلے یہ رشتہ بھی استوار ہوگیا، یعنی دونوں

میں کئی سال کی مفارقت کے بعد صلح ہوگئی۔ دونوں بذلہ کے میدان منفرد تھے لیکن شاہ جیؒ، شاہ جیؒ تھے۔ تاثیر مرحوم اور پطرس مرحوم تو ان پر گویا جی جان سے قربان ہوتے۔ چراغ حسن حسرت زبان کے معاملہ میں بد دماغ تھے، کسی کو نہیں مانتے تھے لیکن، شاہ جیؒ کے سامنے ان کا چراغ بھی نہیں جلتا تھا۔ حسرت نے طنز کی، شاہ جیؒ نے وار کیا۔ حسرت نے ضلع جگت کا سہارا لیا، شاہ جی نے پھبتیوں کا جھاڑ و باندھا۔ ادھر سے بذلہ آیا، ادھر سے چٹکی لی گئی۔ مطائبات کا ایک یدھ ہوگیا۔ اب وہاں سے اٹھے، تو مولانا احمد علیؒ سے سامنا ہوگیا۔ اب ان پر گویا بچھے جا رہے ہیں۔ ادھر معلوم ہوا کہ حضرت رائے پوریؒ لاہور میں تشریف فرما ہیں، ان کی قیام گاہ پر پہنچے۔ دوزانو ہوگئے۔ وہاں سے چلے اپنی قیام گاہ پر پہنچے، دوستوں اور عقیدت مندوں کا ہجوم ہے۔

''اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھئے کیا ہوتا''

''نہیں بھائی یہ محاورہ یوں نہیں یوں ہے''۔ ''خوب شعر کہا ہے آپ نے'' لیکن اس قافیہ میں آپ نے ایطاء جلی کا خیال نہیں کیا ہے۔

''لعنت بر پدر فرنگ''، جس نے اس پر اعتبار کیا، مارا گیا۔

''نہیں بھائی! خطابت کتابوں سے نہیں آتی، اور میں تو لوگوں کی نگاہوں سے مضامین چنتا ہوں''

''چھوڑو جی اس بات پر دو حرف بھیجو۔ ہم نے تمام عمر یہ پاپڑ بیلے ہیں۔ اب آسمان میں مھگلی لگانے سے فائدہ اور مٹھی میں ہوا کا تھامنا کیا؟''

''جب تک انگریزوں کا دور رہا، حسینؓ کی سنت پر عمل کیا، اب اپنوں کی حکومت ہے۔ حسنؓ کی سنت پر چل رہا ہوں''۔

''کتاب اللہ کی بلاغت کے صدقے جایئے، خود بولتی ہے کہ میں محمدؐ پر اتار دی گئی ہوں، بابو اس کی قسمیں نہ کھایا کرو، اسے پڑھا کرو، سید احمد اور شاہ اسمٰعیل (رحمہم اللہ تعالیٰ) کی طرح نہ سہی، اقبال ہی کی ..... طرح پڑھ لیا کرو۔ دیکھا، اُس نے قرآن کو قرآن میں ڈوب کر پڑھا تو مغرب کی دانش پر بلہ بول دیا۔ وہ تمہارے بتکدوں میں اللہ اکبر کی صدا تھا، اور سچ ہے رہے نام اللہ کا۔ وہ قافلہ ہی اجڑ گیا، جس کے بخاری سرخیل تھے۔

اب ان کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں
یارب وہ ہستیاں اب کس دیس بستیاں ہیں

مولانا زاہد الراشدی

آزادیٔ کشمیر اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ

کشمیر کے بارے میں ''ٹریک ٹو ڈپلومیسی'' کے پس پردہ بعض سرگرم قادیانیوں کو متحرک دیکھ کر کم وبیش پون صدی قبل کا وہ منظر نگاہوں کے سامنے گھومنے لگا ہے، جب قادیانی گروہ نے کشمیر پر اپنا جال پھیلانے کے لئے مفکر پاکستان علامہ محمد اقبالؒ تک کو کچھ دیر کیلئے دام ہمرنگ زمین کا شکار بنالیا تھا مگر مجلس احرار اسلام خطرہ کی بو سونگھتے ہوئے میدان میں کود پڑی اور اس نے نہ صرف علامہ اقبالؒ کو اس جال سے نکالنے میں کامیابی حاصل کر لی تھی بلکہ ڈوگرہ سامراج کے مظالم میں مسلسل پستے چلے جانے والے مجبور کشمیری عوام کے ساتھ ہمدردی کی آڑ میں قادیانیوں کے کشمیر کی طرف بڑھتے ہوئے قدموں کو بھی روک دیا تھا۔

یہ ۱۹۳۱ء کی بات ہے۔ جب ریاست جموں وکشمیر کے مسلمان عوام ڈوگرہ حکمرانوں کے مظالم اور جبر وتشدد سے تنگ آ کر بغاوت پر اتر آئے تھے اور قرآن کریم کی توہین کے ایک شرمناک واقعہ نے کشمیر کے غیور مسلمانوں کو ڈوگرہ حکمرانوں کے خلاف سڑکوں پر لا کھڑا کیا تھا۔ شیخ محمد عبداللہ مرحوم اسی احتجاجی تحریک میں منظر عام پر آئے تھے اور پھر اپنی شعلہ نوائی اور قائدانہ صلاحیتوں کے باعث آگے بڑھتے چلے گئے تھے۔ اس موقع پر میاں سر فضل حسین مرحوم جو پنجاب کے ان سرکردہ سیاسی رہنماؤں میں شمار ہوتے تھے جو تحریک آزادی کا ساتھ دینے کی بجائے انگریزی حکومت کا سہارا بننے کو ترجیح دیتے رہے، انہوں نے شملہ میں کشمیری عوام کی حمایت کے لئے اپنے سیاسی ذوق کے حامل حضرات پر ایک کشمیر کمیٹی تشکیل دی، جس کا سربراہ قادیانی گروہ کے سربراہ مرزا بشیر الدین محمود کو بنایا گیا اور چند دیگر سرکردہ مسلمان قائدین کے ساتھ علامہ اقبالؒ کو بھی کشمیر کمیٹی کا رکن بنالیا گیا۔ مرزا بشیر الدین محمود کی سربراہی میں بننے والی کشمیر کمیٹی سے اس کے علاوہ کیا توقع کی جاسکتی تھی کہ وہ مسلمانوں کی مظلومیت اور جذبات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ریاست جموں وکشمیر میں قادیانی اثر ونفوذ کو فروغ دے گی اور اس میں علامہ اقبالؒ کو شامل کرنے کا مقصد مسلمانوں میں اس عظیم فلسفی شاعر اور مفکر کی مقبولیت کی آڑ میں اپنے پیش رفت کی جگہ بنانے کے سوا کچھ نہیں تھا۔ چنانچہ اس پس منظر میں مرزا بشیر الدین محمود اور ان کے بعض حواریوں کی طرف سے کشمیر کو قادیانی ریاست بنانے کی خواہش کا بھی اظہار ہونے لگا، جسے برصغیر کے دیندار مسلمانوں اور خاص طور پر مجلس احرار اسلام نے محسوس کیا اور احرار رہنماؤں کے وفد نے علامہ اقبالؒ سے ملاقات کر کے انہیں اس خطرہ سے آگاہ کرتے ہوئے ان سے درخواست کی کہ وہ مرزا بشیر الدین محمود کی سربراہی میں بننے والی کشمیر کمیٹی سے علیحدگی کا اعلان کریں۔ علامہ اقبالؒ نے یہ درخواست منظور کر لی اور کشمیر کمیٹی سے علیحدگی کا اعلان کر دیا۔ اس کے بعد اگست ۱۹۳۱ء کے وسط میں مجلس احرار اسلام نے کشمیری عوام کی حمایت میں خود میدان میں آنے کا فیصلہ کیا۔ اکتوبر میں چودھری افضل حق

مرحوم، مولانا مظہر علی اظہر مرحوم، اور خواجہ غلام محمد مرحوم، پر مشتمل احرار قائدین کا وفد کشمیری عوام کے مطالبات پر ڈوگرہ حکمرانوں سے بات چیت کے لئے جموں پہنچا مگر بات چیت کسی نتیجہ پر نہ پہنچی تو مجلس احرار اسلام نے کشمیری عوام کی حمایت میں احرار کارکنوں کو کشمیر بھیجنے اور ان کی تحریک میں شامل ہونے کا اعلان کر دیا۔ اسی دوران امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو دہلی سے گرفتار کر لیا گیا اور ڈیڑھ سال قید بامشقت کی سزا سنا دی گئی، جس سے احرار کارکنوں کے جذبات میں مزید جوش وخروش پیدا ہوا اور نومبر ۱۹۱۳ء میں احرار کارکنوں نے چاروں طرف سے کشمیر پر یلغار کر دی۔ جہلم سے میر پور، راولپنڈی سے کوہالہ، اور سیالکوٹ سے سچیت گڑھ کے راستے احرار رضا کار کشمیر میں داخل ہونا شروع ہوئے۔ جنہیں ریاست کی حدود میں قدم رکھتے ہی گرفتار کر لیا جاتا۔ تین ماہ کے عرصہ میں چالیس ہزار کے لگ بھگ رضا کاروں کو کنٹرول سے باہر ہوتا ہوا دیکھ کر دہلی کی انگریز حکومت سے رابطہ کیا جس نے پہلے جمعیت علماء ہند کے حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلویؒ کے ذریعہ احرار رہنماؤں سے مفاہمت کا راستہ نکالنے کی کوشش کی جو کامیاب نہ ہوئی اور احرار کے خلاف دار و گیر اور جبر و تشدد کا محاذ دہلی کی انگریز حکومت نے براہ راست سنبھال لیا۔ تحریک کا دائرہ ریاست سے نکل کر پورے ہندوستان میں پھیل گیا۔ کشمیر کے بعض لیڈروں کو ریاست میں احرار کی مقبولیت بڑھنے سے اپنی قیادت ڈگمگاتی دکھائی دی اور بعض معاصر سیاسی جماعتوں نے بھی تعاون کی امیدیں پوری نہ کیں۔ جس کی وجہ سے مجلس احرار اسلام کی یہ جدوجہد مزید آگے نہ بڑھ سکی البتہ کشمیری عوام میں سیاسی بیداری اور جذبہ حریت کو فروغ دینے میں اس تحریک نے اہم کردار ادا کیا۔ ورنہ اگر برصغیر کی دوسری سیاسی جماعتیں بھی اس موقع پر احرار کا ساتھ دیتیں اور ریاست جموں وکشمیر کی مقامی لیڈر شپ احرار کو اپنا حریف قرار دینے کی بجائے دوست اور معاون سمجھ لیتی تو آج اس خطہ کی صورت حال ہی مختلف ہوتی۔ چنانچہ قیام پاکستان کے بعد جب مجلس احرار اسلام نے مسلم لیگ کے ساتھ سیاسی مخالفت کے خاتمہ کا اعلان کرتے ہوئے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ اور پاکستان کے تحفظ و دفاع کی خاطر متحرک ہونے کا فیصلہ کیا تو لاہور کے کھلے جلسے میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے اس کا شکوہ بھی کیا، جسے ''حیات امیر شریعت'' کے مصنف جانباز مرزا مرحوم نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ قیام پاکستان کے بعد جب بھارتی حکمرانوں کی طرف سے پاکستان کے خلاف جارحانہ عزائم کا اظہار شروع ہوا تو مجلس احرار اسلام نے جنوری ۱۹۴۹ء کے دوران، دہلی دروازہ سے باہر ''دفاع پاکستان کانفرنس'' کے عنوان سے تین روزہ کانفرنس منعقد کی۔ جس میں احرار قائدین نے وطن عزیز پاکستان کے دفاع اور تحفظ کے لئے اپنی خدمات پیش کرنے کا اعلان کیا۔ اس کانفرنس میں جب امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ خطاب کر رہے تھے تو ان کی تقریر کے دوران ممتاز کشمیری لیڈر چودھری غلام عباس مرحوم بھی جلسہ گاہ میں تشریف لائے۔ جن کا احرار کارکنوں نے پر جوش استقبال کیا اور ''کشمیر ہمارا ہے'' کے نعروں کی گونج میں انہیں سٹیج پر پہنچا دیا۔ اس موقع پر شاہ جی نے انہیں مخاطب کرتے

ہوئے کہا کہ ''چودھری صاحب کی آمد سے بات دوسری طرف چلی گئی۔ عزیزو! خدا جانے اب آپ کس کشمیر کو لینے کے ارادے کر رہے ہیں یا اب آپ کس کشمیر کے متعلق سوچ رہے ہیں؟ ورنہ وہ کشمیر جو ذہنوں میں جنت کا نشان ہے۔ جس کے متعلق میری رائے ہے کہ پروردگار عالم نے آسمانوں پر اپنی موجودگی میں تیار کروا کر اسے زمین پر اتار دیا، وہ جنت کا ایک ایسا ٹکڑا ہے، جس میں اب نہیں ۱۹۳۱ء سے مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ اس زمانے میں ہم نے اسی کشمیر کے متعلق مسلمانوں سے بات کہی تھی لیکن اس وقت کے رئیس مسلمانوں نے، جن کا تعلق فرنگی ایوانوں سے تھا، ہماری بات نہ سنی۔ اگر اس زمانے میں، جب ہم نے چالیس ہزار کے قریب مسلمانوں کو جیل میں بھجوایا اور بائیس نوجوانوں نے کشمیر کی آزادی کے لئے جام شہادت نوش فرمایا تھا، ہماری بات مان لی ہوتی تو آج کشمیر کا نقشہ یہ نہ ہوتا۔ خیر..... بہر حال! جناب اب آپ بھی سن لیں اور چودھری صاحب بھی! کشمیر تو آپ اپنے ہاتھ سے دے چکے۔ اگر فائر بندی کی بات نہ ہوتی تو ممکن ہے کوئی بات بن جاتی مگر اب تو میری بات لکھ کر جیب میں ڈال لو، کہ فرنگی اور ہندو اب آپ کو کشمیر نہیں دیں گے۔ ہاں کبھی فرنگی کو ضرورت ہو کہ وہ اس مستقل فساد کو ختم کرنا چاہے تو ممکن ہے اس کا کچھ حصہ آپ کے پاس آ جائے۔''

شاہ جیؒ کا مطلب یہ تھا کہ جب ۱۹۴۸ء میں کشمیری مجاہدین اور ان کے ساتھ آزاد قبائل کے غیور مسلمان سری نگر اور پونچھ میں داخل ہو رہے تھے اس وقت جنگ جاری رکھنے کی بجائے ''سیز فائر'' قبول کر کے ہندوستان کو کشمیر پر مسلح قبضے کا موقع فراہم کیا گیا، اس لئے اب بھارت آسانی سے کشمیر نہیں چھوڑے گا اور نہ ہی فرنگی کشمیر کو پاکستان کے سپرد کرنے کیلئے تیار ہوگا۔

اس پرانی داستان کو دہراتے ہوئے، میرے ذہن میں دو سوال ابھر رہے ہیں۔ ایک یہ کہ آج پھر جبکہ مجاہدین کشمیر نے انڈین آرمی کے لئے کشمیر میں زیادہ دیر تک براجمان رہنے کو مشکل تر بنا دیا ہے اور بھارت ایک بار پھر ''سیز فائر'' کے نام سے اپنے اکھڑے ہوئے قدم دوبارہ جمانے کیلئے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے تو کیا ہمارے حکمران پھر سے بھارت کو کشمیر میں اپنی پوزیشن مستحکم کرنے کا موقع دینے کیلئے تیار ہو جائیں گے؟ اور دوسرا سوال یہ ہے کہ آج پھر کشمیر کی صورتحال کو اپنے حق میں استعمال کرنے کے لئے ''قادیانی لابی'' سرگرم عمل ہے اور اس کے دام ہمرنگ زمین میں بڑے بڑے خوشنما چہرے اور متبرک نام شکار ہوتے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں، تو کیا آج چودھری افضل حقؒ، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، مولانا مظہر علی اظہرؒ، شیخ حسام الدینؒ اور ماسٹر تاج الدین انصاریؒ کا کوئی وارث زندہ نہیں ہے جو کشمیر کی طرف قادیانیوں کے تیزی سے بڑھتے ہوئے قدموں کو راہ میں روک لے اور آج کے دانشوروں کو آج کے بشیر الدین محمودوں کے جال میں پھنسنے سے بچا لے؟

(مطبوعہ روزنامہ ''اوصاف'' اسلام آباد، جون ۲۰۰۱ء)

حاجی غلام مصطفیٰ عجمی

امیر شریعتؒ کی میلسی سے وابستہ یادیں

پچپن سال بیت گئے۔ مختصر زندگی کا ایک طویل حصہ گزر گیا۔ گرچہ زمانی لحاظ سے ۵۵ سال کی دوری پر کھڑا ہوں لیکن ذہن میں ۱۹۴۴ء کی یادیں اب بھی تازہ ہیں اور آنکھیں وہ مناظر دیکھ رہی ہیں۔ جیسے یہ تمام واقعات ابھی رونما ہو رہے ہیں۔ میرے ذہن کے پردہ پر گزشتہ واقعات ایک ایک کر کے فلم کی سکرین کی طرح ابھر رہے ہیں۔ اور میرے دل میں، میری روح میں وہی تازگی پیدا ہو رہی ہے جو آج سے ۵۶ سال پہلے، جبکہ میں ایک نوعمر طالب علم تھا اور میرے ذہن پر ایک غیر قانونی مسرت پیدا ہوتی تھی۔ آج جبکہ بڑھاپے کی منزل میں اپنے آپ کو پا رہا ہوں تو مجھے وہی وجدانی خوشی محسوس ہو رہی ہے اور میں ان بزرگوں کی محبت میں ایسی طرح اب بھی اپنے آپ کو محسوس کر رہا ہوں۔

۱۹۴۴ء میں برصغیر میں تحریک آزادی زوروں پر تھی۔ سیاسی اور مذہبی جماعتیں اپنے اپنے انداز میں غیر ملکی انگریز حکومت سے نبرد آزما تھیں۔ اس وقت ہمارے مذہبی رہنما بھی کسی سے پیچھے نہ تھے۔ مجلس احرار اسلام کے سٹیج سے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ اپنی خطابت کے جادو جگا رہے تھے۔ آپ نے انگریز سامراج کے خلاف بے مثال جرأت و شجاعت سے شبانہ روز کام کیا اور برصغیر کے لوگوں کو حکومت برطانیہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کا سلیقہ سکھایا۔ آپ نے پرسوز، دل نشین انداز خطابت سے خیبر سے کلکتہ اور مدراس سے ہمالیہ تک آزادی کے جذبہ کو عام کیا۔

میلسی کی سرزمین میں بخاری صاحبؒ متعدد بار تشریف لائے۔ اس سرزمین کے حوالہ سے، نہ بھلا دینے والی باتیں ان کی ذات سے وابستہ ہیں۔ ۱۹۴۴ء میں راقم الحروف جامع مسجد مائی والی میلسی میں درس نظامی کا طالب علم تھا کہ مجھے شاہ صاحبؒ سے پہلی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ مائی والی مسجد کے خطیب، مدرس استاذ یم مولانا محمد بخشؒ اپنے وقت کے مسلم الثبوت استاد تھے۔ آپ کا علمی تبحر علاقے میں مانا ہوا تھا۔ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے ان کے تعلقات برادرانہ تھے۔ انکی دعوت پر بخاری صاحبؒ مسجد مائی والی کے سالانہ جلسہ پر تشریف لائے۔ کہروڑ پکا کے معروف احراری رہنما حاجی نور محمد نے میلسی میں مجلس احرار اسلام قائم کی، جس میں بندہ ایک رضا کار کی حیثیت سے شامل ہوا۔

ان ایام میں شاہ جیؒ کا مستقل قیام امرتسر میں تھا۔ اور آپ میلسی جیسے دور دراز علاقوں میں امرتسر سے تشریف لاتے اور اپنے سحر انداز خطابت سے لوگوں کے دلوں کو منور کرتے۔ آپ کی آمد پر لوگ سراپا انتظار بن جاتے۔ کئی کئی دن پہلے استقبال کی تیاریاں شروع کر دی جاتیں۔ اس دور میں آمد و رفت کا ذریعہ صرف ریل گاڑی تھی۔ راقم سرخ قمیص پہنے،

مجلس احرار کے رضا کاروں کے ساتھ میلسی ریلوے اسٹیشن پر آپ کا استقبال کرنے والوں میں شامل ہوتا۔ ایک سماں ہوا کرتا۔ جلوس کی شکل میں نعرے بلند کرتے ہوئے مسجد مائی والی تک شاہ جیؒ کو لایا جاتا۔ مسجد مائی والی اس زمانہ میں تحریک کا مرکز ہوا کرتی تھی اور مولانا محمد بخش اس کے روح رواں ہوا کرتے تھے۔ ان کے طفیل مسجد کے طلباء کو بھی بساط بھر حصہ لینے کا موقع ملتا تھا۔

شاہ صاحبؒ کو اپنی تبلیغی اصلاحی کاوشوں میں بہت سی آزمائشوں سے گزرنا پڑے۔ جس میں آپ ثابت قدم اور سرخرو رہے۔ ایسا ایک واقعہ میلسی میں ہوا۔ شاہ جیؒ کی تقریر سے متاثر ہو کر ایک نوجوان اپنی خاندانی روایات سے بغاوت کر کے امیر شریعتؒ کے معتقدین میں شامل ہو گیا۔ جس کی وجہ سے اس کی والدہ (طوائف) اور دیگر لواحقین نے شاہ صاحبؒ سے بغض وعناد رکھنا شروع کر دیا اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ نوجوان کی والدہ نے شاہ صاحب کے خلاف تھانہ میلسی میں اپنے بیٹے کے اغوا اور گھر سے زیورات ونقدی لے جانے کی رپٹ درج کرا دی۔

۱۹۴۴ء میں شاہ جی میلسی آئے اور یہاں سے فتح پور کے جلسے میں شرکت کیلئے روانہ ہوئے۔ فتح پور جانے کے لئے اس زمانہ میں کوئی باقاعدہ سڑک نہ تھی، صرف نہر کی پٹڑی آمد ورفت کا کام دیتی تھی۔ شاہ صاحب نے یہ سفر تانگے پر سوار ہو کر کیا۔ جبکہ راقم السطور اپنے دوسرے ساتھی رضا کاروں کے ہمراہ بائیسکلوں پر فتح پور پہنچے۔ جلسے سے واپسی پر اسی طرح قافلہ کی صورت میں شاہ صاحبؒ کے ہمراہ میلسی آ رہے تھے کہ راستہ میں ٹمکروٹ کے مقام پر ہندو اپنا سالانہ مذہبی تہوار منا رہے تھے۔ جونہی انہیں شاہ جیؒ کی آمد کا علم ہوا تو ہندو مرد اور عورتیں نہر کی پٹڑی کے دونوں جانب اکٹھے ہو گئے اور شاہ جیؒ کا تانگہ روک کر مٹھائی پیش کی اور دعا کے لئے استدعا کی۔ اس واقعہ سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ ہندو بھی شاہ جیؒ سے کتنی عقیدت رکھتے تھے اور احترام کرتے تھے۔

شاہ جیؒ کا تانگہ میلسی کی نواحی نہر فدہ کی دو پلی پر پہنچا تو وہاں آپ کو اطلاع ملی کہ محمد افضل کے رشتہ داروں کی طرف سے تھانہ میلسی میں نقص امن کی رپٹ درج کرائی گئی ہے۔ جس میں آپ کے نام سمیت چھے افراد یعنی جامع مسجد مائی والی کے خطیب مولانا محمد بخش، صوفی محمد عظیم احرار، محمد افضل اور ملک غلام رسول ملتانی کے نام درج ہیں۔ شاہ جیؒ یہ اطلاع سن کر مسکرائے۔ تانگہ میں آپ کے ساتھ موضع لکھری کے زمیندار میاں سردار محمد رائیں بھی سوار تھے۔ تانگہ جب بنگلہ نہر کے قریب سے گزرا تو وہاں افسر مال بشیر احمد تارڑ اور کئی دیگر سرکاری افسر موجود تھے۔ شاہ جیؒ بلا خوف وخطر وہاں سے گزرتے ہوئے جب تھانے کے سامنے پہنچے تو پولیس تھانہ (صدر میلسی) کے ایس ایچ او قاضی خدا بخش نے کھڑے ہو کر سلام کیا۔ شاہ جیؒ نے فرمایا! ''میں منافقوں کا سلام قبول نہیں کرتا۔'' اس دوران شباب المسلمین کے رضا کاروں نے جن میں محمد افضل بھی شامل تھا شاہ جیؒ کو سلامی دی۔ شاہ جیؒ نے افضل کو دیکھتے ہی فرمایا ''بیٹا آج تمہارا امتحان کا دن

ہے''۔ افضل نے جواب دیا'' پیرومرشد مجھے کمزور نہیں پاؤ گے۔'' شاہ جیؒ مسجد مائی والی کے شیخ حاجی عبدالکریم کے مکان پر ٹھہر گئے۔ دریں اثناء ایک پولیس کا سپاہی آیا اور میاں سردار محمد ارائیں کو بلا کر تھانے لے گیا۔ وہاں یہ میٹنگ ہو رہی تھی ،جس میں محمد افضل کی والدہ اور ان کی طرف سے ملتان کے دو وکیل شیخ محمود اور گیلا رام شامل تھے۔ میٹنگ میں یہ فیصلہ ہوا کہ دو پرچے کاٹے جائیں ایک افضل کے اغواء جبس بے جا، دوسرا افضل کے خلاف زیورات اور نقدی چوری کر کے لے جانے کا۔ میٹنگ میں موجود محمد افضل کی والدہ کو بتایا گیا کہ اس مقدمے میں'' تمہارا بیٹا افضل بھی گرفتار کیا جائے گا''۔ یہ سن کر افضل کی والدہ نے کہا'' میں نہ تو قبلہ شاہ صاحبؒ کے خلاف پرچہ کٹواؤں گی کیونکہ وہ آل رسول ہیں اور نہ ہی مولوی محمد بخش کے خلاف ایف آئی آر درج کراؤں گی، کہ وہ میرے استاد ہیں۔ میں نے چند دن ان کے پاس قرآن مجید پڑھا ہے''۔ یہ کہ کر وہ اپنے گھر چلی گئی۔ پولیس یہ صورتحال دیکھ کر پریشان ہوگئی۔ وکلاء نے ٹاؤن کمیٹی میلسی سے محمد افضل کی تاریخ پیدائش کے کاغذات منگوائے تو ان میں اس کی عمر چودہ سال دس دن تھی۔ وکلاء نے یہ کہا کہ یہ بالغ اور خود مختار ہے جہاں چاہے رہ سکتا ہے۔

میاں سردار محمد نے واپس آ کر حضرت امیر شریعت سید عطاءاللہ شاہ صاحبؒ کو تمام حالات سے آگاہ کیا۔ شہر میں مختلف افواہیں گشت کر رہی تھیں۔ شہریوں کی طرف سے مسجد مائی والی میں رات کو جلسے کا پروگرام بنایا گیا۔ پولیس نے اس جلسے کو ناکام بنانے کے لئے جدوجہد شروع کر دی۔ صوفی محمد عظیم احراری نے جلسے کی منادی شروع کر دی۔ منادی کرنے کے دوران پولیس اسے پکڑ کر تھانے میں لے گئی، دو گھنٹے بعد اسے چھوڑ دیا۔ پولیس نے دیہاتوں سے بستہ الف اور ب کے بدمعاش منگوا لئے۔ سرمال بشیر احمد تارڑ کے کہنے پر گورنمنٹ ہائی سکول میلسی کے ہیڈ ماسٹر سعید احمد خاں بلوچ نے سکول کے طالب علموں کو تیار کیا کہ جلسے میں جا کر عطاءاللہ شاہ بخاریؒ مردہ باد کے نعرے لگائیں۔ طالب علموں کو لے جانے کی ڈیوٹی سکول کے پی ٹی آئی ماسٹر فتح محمد شاہ کے ذمہ لگائی گئی۔ پروگرام کے مطابق لوگ نماز عشا کے بعد جوق در جوق مسجد مائی والی میں پہنچنے لگے مسجد لوگوں سے بھر چکی تھی۔ ادھر پولیس نے مسجد کی طرف آنے والے راستے گلیاں اور بازار بند کر دیئے۔ باہر سے آنے والوں کو مسجد کی طرف جانے سے روک دیا گیا۔ سرکاری افسران اور پولیس گارڈ مسجد کے اردگرد جمع تھی۔ بخاری صاحب کی تقریر سننے کے لئے شہر کے ہندو بھی آئے ہوئے تھے۔ جن میں میلسی کے معروف ڈاکٹر لال چند اور ڈاکٹر ودھاوا رام بھی شامل تھے۔ جلسے کی صدارت مولانا محمد بخش نے کی۔ جلسے کا آغاز مسجد کے ایک طالب علم (نام یاد نہیں) نے تلاوت قرآن مجید سے کیا۔ شیخ عبدالرحیم کے بھائی شیخ عبدالحکیم خاں اور ملک محمد شفیع ملتانی کے بھائی ملک عبدالقادر ملتانی نے نعتیں پڑھیں۔ پہلی تقریر مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ نے کی۔ اسی دوران شاہ صاحبؒ اور ان کے ہمراہ محمد افضل جلسہ گاہ میں تشریف لائے۔ مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ کی تقریر کے بعد محمد افضل نے چند منٹ تقریر کی۔ اور اس کے

بعد شاہ جیؒ کا خطاب شروع ہوا ہی تھا کہ سکول کے طلبا آ گئے اور نعرے بازی شروع کر دی۔ مجلس احرار کے رضا کاروں نے جلسے کا نظام درہم برہم نہ ہونے دیا۔ لوگ نہایت اطمینان سے شاہ جیؒ کا خطاب سنتے رہے۔ ملک محمد شفیع ملتانی نے طالب علموں سے کہا کہ ہم نے ملتان سے رضا کار بلوائے ہیں۔ رضا کاروں سے بھری دو بسیں آ گئی ہیں۔ رضا کار جلسہ گاہ میں آنے والے ہیں۔ یہ سنتے ہی طالب علم ڈر کے مارے فرار ہو گئے۔ جلسہ نہایت کامیابی سے اختتام پذیر ہوا شاہ جی نے دعا کی کہ اللہ محمد افضل کو استقامت بخشے۔

ایک مرتبہ غالباً ۱۹۴۵ء میں حضرت شاہ بخاری، عیدگاہ میلسی میں منعقدہ جلسہ سے خطاب کرنے کے لئے کرسی پر تشریف فرما ہوئے۔ جلسہ گاہ میں ہزاروں مسلمانوں کے علاوہ ہندو سکھ بھی موجود تھے۔ تو اس وقت کرم پور کا ایک باشندہ میاں شعبان کھڑا ہو گیا۔ اور زور زور سے کہنے لگا "بخاری صاحبؒ کی تقریر مت سنو کیونکہ یہ حقیقت و معرفت و طریقت کے منکر اور وہابی ہیں"۔ اس کے بولنے پر ایک ہندو تھانیدار اس کی سرزنش کرنے کے لئے آگے آیا اور مجلس احرار کے رضا کار بھی اس کو پکڑنے کے لئے دوڑے، تو شاہ جیؒ نے ان سب کو روکتے ہوئے کہا "اسے کچھ نہ کہو" اور میاں شعبان کو اپنی طرف بلایا۔ وہ آپ کی کرسی کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ آپ نے نہایت حوصلے کے ساتھ پوچھا "میاں تم کیا کہتے ہو"۔ اس نے کہا! "آپ طریقت، حقیقت اور معرفت کے منکر ہیں۔ معراج شریف کو نہیں مانتے، اس لئے میں لوگوں کو آپ کی تقریر سننے سے روک رہا ہوں"۔ اس پر شاہ جیؒ نے مسکراتے ہوئے فرمایا میرے سامنے بیٹھ جاؤ۔ چنانچہ وہ بیٹھ گیا۔ شاہ جیؒ نے اپنی خداداد خوش الحانی کے ساتھ قرآن مجید کی آیت سبحان الذی اسریٰ بعبدہ فرمانے کے بعد تقریر میں سید الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ملاقات کا نقشہ کھینچا۔ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام کے متعلق سرائیکی میں فرمایا کہ:

"توں نوری مخلوق ہیں، میرے ناناں کوں لے آیاں ہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ تے کھڑا کر ڈتا ہئی۔ جبکہ صدیق اکبرؓ میرے ناناں دے نال ہوندے تاں اوکھلا نہ چھوڑیندے۔ جتیاں سمیت عرش تے لے ویندے۔" (آپ نوری مخلوق ہو۔ میرے نانا کو لے کر آئے اور سدرۃ المنتہیٰ پر آ کے ٹھہر گئے۔ اگر صدیق اکبرؓ میرے نانا کے ساتھ ہوتے تو کبھی انہیں تنہا نہ چھوڑتے۔ بلکہ ان کا ساتھ دیتے ہوئے، جوتوں سمیت عرش کو چل دیتے)

میاں شعبان شاہ جیؒ کا خطاب سنتے ہی تڑپ اٹھا اور آپ کے قدموں میں گر کر معافی مانگنے لگا۔ اس روحانی کیفیت طاری ہونے پر جملہ سامعین و حاضرین جلسہ محو حیرت تھے کہ بخاری صاحبؒ نے آج مقام معراج کو کیسا بط و تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جملہ سامعین مخالف و موافق آپ کی مدح سرائی کرنے لگے۔ اور آپ کے معتقد ہو گئے۔

اس دور میں مدرسہ عربیہ مسجد مائی والی کے زیر اہتمام میلسی کے مختلف دیہی مقامات خصوصاً فتح پور، محبت پور، رام

کلی اور خان پور میں تبلیغی جلسے منعقد ہوتے، جن میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ خطاب فرماتے۔ آپ یگانہ روزگار اور معجز بیاں خطیب تھے۔ آپ کی تقریر لطائف اور چٹکلوں سے مرصع ہوتی۔ ان کی شیریں گفتاری، وہ سحر کرتی کہ سامعین یہی چاہتے کہ آپ بولتے رہیں اور وہ سنتے رہیں، آپ مجمع کی نفسیات کو بھی خوب سمجھتے تھے۔ اور اس بات پر قادر تھے کہ جب چاہا رلا دیا اور جب چاہا ہنسا دیا۔ ان جلسوں میں قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ، مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا عبدالرحمٰن میانویؒ، سید نور الحسن بخاریؒ، صاحبزادہ فیض الحسنؒ شاہ سجادہ نشین آلو مہار شریف، مولانا محمد شریف بہاولپوریؒ، مولانا حافظ اللہ وسایاؒ نابینا، جانباز مرزاؒ خطاب کرتے۔ شاہ جی حاضر جوابی برجستہ گوئی، الفاظ کے حسین امتزاج، مزاح وجلال، طنز وتعریض اور اشعار ولطائف کا ایسا برمحل استعمال کرتے کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ باتیں اسی وقت کے لئے کہی گئی تھیں اور ان کا یہ انداز بیاں سامعین کو نیم بسمل کی طرح تڑپا دیتا۔ ایک مرتبہ میرے ماموں مولوی دین محمد جلسہ کی تاریخ لینے ملتان گئے، بندہ بھی ہمراہ تھا۔ شاہ جیؒ دیکھتے ہی فرمانے لگے کہ مولوی دین محمد کیسے آئے ہو؟ عرض کیا کہ جلسے کی تاریخ لینے آیا ہوں۔ شاہ صاحبؒ نے استفسار کیا کہ جلسہ کہاں ہوگا؟ مولوی دین محمد نے کہا کہ میلسی کی نواحی بستی ٹھوٹھیں میں۔ بستی کا نام سن کر شاہ جی مسکرائے اور فرمانے لگے کہ ''ٹھوٹھا'' مولانا محمد علی جالندھریؒ کو دکھاؤ اگر تاریخ فارغ ہوئی تو وہ دے دیں گے۔ مولوی دین محمد شاہ جیؒ کے لئے دیسی بیر لے گئے اور ان کی خدمت میں پیش کئے۔ شاہ جیؒ بیر لے کر خوش ہو گئے اور مزاحاً فرمانے لگے ''مولوی دین محمد ہمارے بچوں کے لئے کھانسی کا سامان لے کر آئے ہو۔''

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ جہاں شعلہ بیاں مقرر اور میدان خطابت کے شہسوار تھے، وہاں انہوں نے میدان طریقت کی منازل بھی طے کیں۔ عشق ومحبت کے گہرے سمندر وں میں تیراکی کی اور بڑے بڑے اولیاء کرام صوفیائے عظام کو خراج عقیدت کے پھول پیش کئے۔ آپ شاعری میں بھی یدطولیٰ رکھتے تھے۔ آپ کا تخلص ندیم تھا۔ اردو، فارسی، عربی، مکمل عبور حاصل تھا۔ آپ نے حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ کی مدح سرائی کرتے ہوئے فارسی میں نظم لکھی۔ یہ نظم روزنامہ ''امروز'' ملتان کی ۲ جولائی (شمارہ غالباً ۱۹۶۳ء ہے) کی اشاعت میں شائع ہوئی۔ راقم الحروف اس وقت میلسی میں ''امروز'' کا نامہ نگار تھا اور یہ حصہ میں نے اخبار سے کاٹ لیا تھا۔ اصل تراشہ اب بھی میرے پاس موجود ہے۔ نظم کا عنوان ہے ''چیست خواجہ فرید''

گلخن عشق چشتیاں بہ طپید
شعلہ اش خواجۂ غلام فرید
ہر کہ از عشق جرعۂ چشید
او چہ داند کہ چیست خواجہ فرید

مرغ فکرم زآشیاں بہ پرید
نالہ ہائے فرید چوں بشنید
سرمہ چشم شد بخاری را
خاکپائے غلامِ خواجہ فرید

شاہ جیؒ فرماتے ہیں کہ: ''سلسلہ چشتیہ کے عشق کا تنور گرم ہوا، اس کا ایک شعلہ خواجہ غلام فرید ہیں۔ جس نے شراب عشق کا ایک گھونٹ نہیں چکھا، اسے کیا معلوم کہ خواجہ فریدؒ کیا ہے؟ میرے تصور کا پرندہ آشیاں سے اڑا، جب خواجہ فریدؒ کی گریہ زاری کو سنا۔ خواجہ فریدؒ کے غلام کے پاؤں کی خاک، بخاری کی آنکھ کے لیے سرمہ ہے''

اس نظم کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ حضرت بخاری صاحبؒ نہ صرف حضرت خواجہ فریدؒ سے عقیدت رکھتے تھے بلکہ انھوں نے خواجہ صاحبؒ کے غلاموں کو عقیدت کی اس قدر بلند مسند پر بٹھایا کہ ان کے پاؤں کی روندی ہوئی خاک کو بھی اپنی آنکھوں کے لیے بصارت بخش سرمہ قرار دیا۔ اس نظم سے حضرت بخاری صاحبؒ کی سلسلہ چشتیہ کے ساتھ گہری وابستگی بھی ظاہر ہوتی ہے۔ گو بعض ظاہر بین حضرات، امیر شریعتؒ کو صاحب ظاہر سمجھتے ہیں حالانکہ آپ صاحب ظاہر ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب باطن بھی تھے اور مقام روحانیت کے بلند مقام پر سرفراز تھے۔

شاہ جی کو مدرسہ عربیہ مسجد مائی والی میلسی کے مہتمم استاذ یم مولانا محمد بخش سے خصوصی محبت انس تھا۔ استاذ یم پر فالج کا شدید حملہ ہوا اور یہ مرض خطرناک کی شکل اختیار کر گیا۔ جونہی شاہ صاحبؒ کو آپ کی بیماری کا علم ہوا تو ملتان سے حکیم عطا اللہ صاحبؒ (والد حکیم حنیف اللہ) کو اپنے ہمراہ میلسی لے گئے اور مرض کا نسخہ تجویز کیا واپس جاتے وقت مولانا محمد بخش کو اخراجات کے لیے معقول نقد رقم دے گئے۔ راقم السطور قبلہ شاہ صاحبؒ کے ساتھ ملتان گیا اور حکیم عطا اللہؒ صاحب سے ادویات لے آیا۔ قیام پاکستان کے بعد شاہ جیؒ سیاست سے کنارہ کش ہو کر ملتان کے محلہ ٹبی شیر خاں میں مستقل آباد ہو گئے اور یہیں ماضی کی تابندہ تاریخ کا محافظ تحریک آزادی کا جانثار اور برصغیر کا عظیم خطیب ۱۲ اگست ۱۹۶۱ء کی شام اس دار فانی سے رحلت کر گیا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی میلسی سے قلبی وابستگی، جو حیات مستعار میں تھی، اب بھی بدستور قائم ہے۔ کچھ عرصہ پہلے، ان کے عقیدت مند میلسی کے ممتاز تاجر حاجی نذیر حسین ڈاہر نے خواب میں دیکھا کہ شاہ جیؒ دستر خوان پر انہیں پھل پیش کر رہے ہیں اور دریافت فرمایا کیان کا مرید حاجی ملک محمد شفیع ملتانی کہاں ہے۔ آنکھ کھلنے پر حاجی نذیر حسین ڈاہر نے حاجی ملک شفیع کو پھلوں کا ایک کریٹ بھجوایا اور رات کا واقعہ سنایا، اس واقعہ سے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی میلسی کی دھرتی کے لوگوں سے وابستگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یاد رہے کہ اب تو حاجی نذر حسین ڈاہر اور ملک محمد شفیع ملتانی بھی وفات پا چکے ہیں۔

سید محمد یونس بخاری

سیدِ زندہ دلاں

بیادِ امیر شریعت خطیب الامت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

اے مرے سید مری قومی حمیت کے نشاں
اے مرے سید مری ملی خودی کے پاسباں
میں تری چالیسویں برسی پہ ہوں محوِ فغاں
سوچتا ہوں کیا کروں نذرِ عقیدت الاماں
تیرے ہر اک خواب کی تعبیر لیکن اک گماں
کتنا بوجھل ہے یہ دن اے سیّد زندہ دلاں
بے یقینی کا وہ عالم ہے کہ اب کیسے کہوں؟
لوگ ہر دم سوچتے رہتے ہیں میں سکتے میں ہوں
کارواں ہے پھر شبِ تیرہ کے ہاتھوں بے سکوں
کج کلاہوں کی یہ مرضی ہے کہ یوں زندہ رہوں
میں جو پہنے ہوں تری الفت کا اک طوقِ گراں
ان میں رچ سکتا نہیں اے سیّد زندہ دلاں
تیری ہمت تیری جرأت کا عجب تھا بانکپن
تو حصارِ کفر پر اک ضربتِ خیبر شکن
تو جلائے قلبِ مومن خوش خرام و خوش چلن
میں ترے قرباں ، مرے سیّد میرے دل کی لگن
بعد تیرے سب سیاسی راہزن مثلِ خزاں
تیری یادوں کے عدو اے سیّد زندہ دلاں
ہاں مگر اس دور میں احرار کا روحِ حسیں
تیری یادوں کا چمن ہے تیری خوابوں کی امیں
جبہہ پیہم کا نشاں اعجاز ختم المرسلیں
چومتی ہے چشمِ بینا پیار سے اس کی جبیں
یہ تیری معجز نمائی کا نشانِ جاوداں
زندہ و پائندہ باد اے سیّد زندہ دلاں

حافظ شفیق الرحمٰن ضیاء (سلانوالی)

خطابت کے سمندر کا شناور بس وہی اک تھا

(بیادِ امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ)

خطابت کے سمندر کا شناور بس وہی اک تھا
کہ اس کے بعد اس جیسا تو آیا ہی نہیں کوئی
پگھل کر موم ہو جائے وہ جس سے دل کی سنگینی
بیاں میں زور اس کا تو لایا ہی نہیں کوئی
ہوئی جس سے دلوں کے طاقچوں میں جگمگاہٹ سی
دیا اس کی عقیدت کا بجھایا ہی نہیں کوئی
بس اس کی یاد، اس کا ذکر، اس کا نام ایسا ہے
کہ اس کے بعد آنکھوں میں سمایا ہی نہیں کوئی
نشانِ راہ و منزل اب بھی دیتے ہیں قدم اس کے
جبھی تو ہم نے نقشِ پا مٹایا ہی نہیں کوئی
ضیا اجڑی ہے اس کے بعد، اپنے دل کی دنیا یوں
جز اس کے، تختِ محبوبی پہ آیا ہی نہیں کوئی

محمد معاویہ رضوان

بیادِ ضیغم احرار شیخ حسام الدینؒ

(۲۱، جون ۲۰۰۱ء دفتر احرار لاہور میں منعقدہ سیمینار میں پڑھی گئی)

ابھی تک ضیغم احرار کا کردار ہے زندہ
خدا کا شکر ہے کہ آتشِ احرار ہے زندہ
بہت سے کج کلاہوں کو جو بخشی حق شناسائی
سیاسی بت کدے میں اب بھی وہ للکار ہے زندہ
مجھ ایسے نوجواں ہیں حریت کی راہ کے راہی
تو اس کا صاف مطلب ہے کہ وہ مہکار ہے زندہ
ہوئی مدت کہ ہیں خلدِ بریں میں انجمن آراء
مگر اس عہد میں بھی موجۂ افکار ہے زندہ
میں رضواں کیا کروں نذرِ عقیدت ان کی برسی پر
میں طائر ہوں ، مری صورت میں وہ چہکار ہے زندہ

محمد الیاس میراں پوری

مفسرِ قرآن، مجاہدِ آزادی-------مولانا عبیداللہ سندھی رحمتہ اللہ علیہ

برصغیر پاک و ہند کی تاریخ، ایسی شخصیات سے بھری ہوئی ہے، جنہوں نے آزادیٔ وطن اور اسلام کی ترویج و اشاعت کے لئے جاہ و منصب اور عزت و شہرت کی طلب، قید و بند کی صعوبتوں اور جلاوطنی کی اذیتوں سے بے نیاز اور بے خوف و خطر ہو کر اپنے اعلیٰ نصب العین کے لئے عمر بھر قربانیاں دیں۔ شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کا جذبہ جہاد ہو، یا امام الہند مولانا ابوالکلام آزادؒ کا تبحر علم، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی خطابت ہو، یا شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کا تقویٰ، ظفر علی خانؒ کی صحافت ہو، یا شورش کاشمیریؒ کا شعر و سخن-----اپنے اپنے میدان میں یہ سب لوگ ایسے تھے کہ جن کے وجودِ مسعود کا خمیر، اخلاص و للّٰہیت کی مٹی سے اٹھا تھا، جو لوگ عنداللہ ہمیشہ مقبول رہے اور عندالناس ہر دور میں عزت و تکریم سے نوازے گئے۔ ان عظیم شخصیات میں ایک عظیم شخصیت مولانا عبیداللہ سندھیؒ کی بھی ہے۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ ۱۰، مارچ ۱۸۷۲ء کو ''چیاں والی''، ضلع سیال کوٹ کے ایک سکھ گھرانے میں پیدا ہوئے۔ ان کا پیدائشی نام بوٹا سنگھ تھا۔ ان کے والد رام سنگھ، ان کی ولادت سے چار ماہ پہلے وفات پا گئے لہٰذا بچپن ہی میں وہ اپنی والدہ کے ہمراہ، ماموں کے ہاں جام پور (ضلع ڈیرہ غازی خان) میں آ کر بس رہے اور اردو مڈل سکول جام پور میں داخل کروائے گئے۔

۱۸۸٤ء میں ان کے آریہ سماجی ہم جماعت نے ایک نومسلم عالم مولانا عبیداللہ مالیر کوٹلویؒ کی شہرہ آفاق تصنیف ''تحفۃ الہند'' انہیں مطالعہ کے لئے دی، جس کا مطالعہ کرنے سے مولانا کے دل کی کایا پلٹ گئی، مولانا نے اسلام قبول کر لیا اور ''تحفۃ الہند'' کے مصنف سے عقیدت کی بنا پر اپنا نام ''عبیداللہ'' رکھ لیا۔ مولانا مسلمان ہونے کے بعد، چھپ چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے، لیکن مولانا کو یہ طریقہ پسند نہیں تھا، وہ چاہتے تھے کہ وہ آزادنہ طور پر مسلمانوں کی سی زندگی بسر کریں۔ چنانچہ ۱۵/ اگست ۱۸۸۷ء کو گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔ مختلف علاقوں سے ہوتے ہوئے سندھ میں، بھر چونڈی شریف کے مشہور صوفی بزرگ حضرت حافظ محمد صدیقؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حافظ صاحب مرحوم نے مولانا کو بیٹوں کی طرح پالا، مولانا کی ایسے طریقے سے تربیت کی، کہ مولانا کے قدم صراطِ مستقیم پر مستحکم ہو گئے۔ حافظ صاحب مرحوم نے مولانا سندھیؒ کو رخصت کرتے وقت دعا دی کہ ''خدا تجھے کسی راسخ عالم سے ملا دے۔''

بھر چونڈی شریف میں اپنے فاضل استاد سے فیض یاب ہونے کے بعد، مولانا سندھیؒ دین پور چلے آئے، وہاں مولانا غلام محمد صاحبؒ کی خدمت میں رہ کر ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ اکتوبر ۱۸۸۸ء میں انہیں دارالعلوم دیو بند میں

داخلہ مل گیا۔ حافظ محمد صدیقؒ کی دعا قبول ہوئی۔ اور مولانا سندھیؒ، حضرت شیخ الہندؒ کے درس میں باقاعدہ بیٹھنے لگے۔ ۱۸۹۱ء میں شیخ الہندؒ سے ان کی دعائیں لے کر امروٹ شریف روانہ ہو گئے۔ امروٹ شریف کے سجادہ نشین مولانا تاج محمود امروٹیؒ کی خواہش پر مولانا سندھیؒ نے درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور ان کے کہنے پر، اسلامیہ کالج سکھر کے ماسٹر مولوی محمد عظیم خان کی دختر نیک اختر سے ان کا نکاح ہو گیا۔ ۱۹۰۱ء میں مولانا، سندھ کے ایک بڑے روحانی مرکز گوٹھ پیر جھنڈا منتقل ہو گئے۔ جہاں پیر صاحب جھنڈا کی سرپرستی میں، انہوں نے ''دارالارشاد'' کی بنیاد رکھی۔

مولانا عبیداللہ سندھیؒ کچھ عرصہ سندھ کے علاقوں میں رہے۔ اس دوران حضرت شیخ الہندؒ نے انہیں دیوبند طلب فرمایا اور سامراج دشمن بنیادوں پر تحریکی اور تنظیمی سرگرمیاں کرنے کے لئے ''جمعیت الانصار'' کی تاسیس کا کام ان کے سپرد کیا۔ مولانا نے اپنے مرشد و مربی حضرت شیخ الہندؒ کے مشورہ پر ۱۹۱۲ء میں دہلی میں ''نظارۃ المعارف'' کی بنیاد رکھی۔ شیخ الہندؒ، حکیم محمد اجمل خانؒ، اور نواب وقار الملکؒ ایسے بزرگ اس عظیم ادارے کے سرپرست بنے۔ یہاں شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کی روشنی میں سیاسی اور معاشی تبدیلیوں کی حکمت عملی کا درس دیا جاتا تھا۔ ۱۹۱۴ء میں پہلی عالمی جنگ شروع ہوئی تو برعظیم سے بیشتر فرنگی فوج مشرق وسطیٰ اور یورپ کے محاذ پر روانہ ہو گئی۔ حضرت شیخ الہندؒ اور ان کے جاں نثار رفقاء نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے، سرحد کے آزاد قبائل کو انگریزوں کے خلاف جہاد پر آمادہ کرنے کا کام، مولانا فضل واحد المعروف بہ حاجی صاحب ترنگ زئیؒ اور مولانا فضل ربیؒ کے سپرد کیا۔ مولانا عزیر گلؒ حضرت شیخ الہندؒ اور حاجی صاحبؒ کے درمیان مسلسل رابطہ قائم رکھے ہوئے تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا عبیداللہ سندھیؒ کو کابل روانہ فرمایا، حضرت شیخ الہندؒ یہ چاہتے تھے کہ امیر افغانستان برعظیم پر حملہ کر دے۔ اور ادھر حاجی صاحب ترنگ زئی اور مولانا فضل ربیؒ قبائلی لشکر کے ساتھ مل کر انگریزی علاقوں پر چڑھائی کر دیں۔ ادھر برعظیم کے مسلمان انگریزوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔ انگریز ان دنوں یورپ اور مشرق وسطیٰ کے محاذوں پر جرمنی اور ترکی کے خلاف آزما تھے، اس لئے وہ برعظیم کا دفاع نہیں کر سکیں گے۔ اور بالآخر عظیم آزاد ہو جائے گا۔ مولانا سندھیؒ ۱۵/اکتوبر ۱۹۱۵ء کو کوئٹہ اور قندھار سے ہوتے ہوئے کابل پہنچ گئے۔ ان کی آمد سے تیرہ روز قبل حضرت شیخ الہندؒ ہی کا منظم کردہ ہندوستانی، ترکی، جرمن، ''مشن'' کابل پہنچ چکا تھا۔ اس مشن کی یہ خواہش تھی کہ افغانستان فوراً برعظیم پر حملہ کر دے۔ اس لئے جب مولانا کابل پہنچے، تو ان دنوں وہاں سیاسی سرگرمیاں زوروں پر تھیں۔ انہی ایام میں مولانا سندھیؒ، راجہ مہندر پرتاب اور مولوی محمد برکت اللہ بھوپالی نے کابل میں ''حکومت موقتہ ہند'' کی بنیاد رکھی۔ روس اور جاپان سے مسلسل رابطہ رکھا گیا۔

مولانا سندھیؒ کی کابل روانگی کے بعد، حضرت شیخ الہندؒ اپنے مشن کی تکمیل کے سلسلے میں حجاز مقدس تشریف لے گئے۔ تاکہ وہاں کے ترک گورنر کے توسط سے حکومت ترکیہ سے رابطہ قائم کریں۔ اور اسے اس پر آمادہ کریں کہ وہ روس یا

ایران کے راستے افغانستان کی فوجی مدد کرے۔ تاکہ افغانستان برعظیم پر حملہ کر دے۔ کابل میں قیام کے دوران، مولانا سندھیؒ نے اپنی پوری سکیم چند ریشمی رومالوں پر لکھ کر عبدالحق نامی، ایک قاصد کے ذریعے شیخ عبدالرحیم سندھی کے پاس حیدر آباد، سندھ روانہ کی اور انہیں یہ پیغام بھیجا کہ وہ کسی معتبر حاجی کے ذریعے سے یا خود مکہ مکرمہ جا کر یہ خطوط حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں پہنچا دیں۔ جب یہ قاصد ملتان پہنچا تو اپنے قدیم مربی، خان بہادر رب نواز خان سے ملنے چلا گیا۔ خان بہادر نے باتوں باتوں میں اس سے تمام راز اگلوا لیا اور انگریزوں کی خوشنودی کے حصول کے لئے اسے ملتان ڈویژن کے کمشنر کے حوالے کر دیا۔ خطوط کی برآمدگی کے بعد حکومت چوکنی ہوگئی اور سینکڑوں افراد کو اس سازش میں شریک ہونے کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ ادھر انگریزوں نے مکہ کے گورنر سے مل کر شیخ الہندؒ کو ان کے رفقاء سمیت گرفتار کر کے مالٹا میں نظر بند کر دیا۔

۱۹۱۹ء میں انگریزوں اور افغانوں کے درمیان ایک جنگ ہوئی، جو افغانستان کی تاریخ میں ''جنگِ استقلال'' کے نام سے یاد کی جاتی ہے۔ اس جنگ کے نتیجے میں انگریزوں نے افغانستان کو خود مختار مملکت تسلیم کر لیا اور اس وقت کے امیر افغانستان ،امان اللہ خان سے کہا کہ انگریزوں کے خلاف کابل میں جو کام ہو رہا ہے، اسے بند کر دیں۔ حکومتِ افغانستان نے مولانا سندھیؒ اور ان کے رفقاء کو سیاسی سرگرمیاں بند کرنے کا حکم دے دیا۔

۱۹۳۷ء میں جب برعظیم کے متعدد صوبوں میں کانگریس برسرِ اقتدار آئی، تو کانگریسی رہنماؤں نے مولانا سندھیؒ کی واپسی کے لئے برطانوی حکومت پر دباؤ ڈالا۔ ادھر برطانوی حکومت کو بھی اپنے جاسوسوں کے ذریعے اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ مولانا سندھیؒ سیاست سے بالکل کنارہ کش ہو چکے ہیں۔ چنانچہ انہیں وطن واپس آنے کی اجازت مل گئی۔ ۱۹۳۹ء میں مولانا وطن لوٹ آئے۔ جلاوطنی کے زمانے میں، مولانا روس بھی تشریف لے گئے اور اشتراکی انقلاب کو قریب سے دیکھا۔ کچھ عرصہ حجاز اور ترکی میں بھی گزارا۔ اس سارے عرصے میں ہندوستان کی آزادی اور مسلمانوں میں انقلابی فکر کی بیداری، مولانا کا مشن رہا۔ انہیں حضرت شاہ ولی اللہؒ کی تعلیمات کے ایک بلند مرتبہ شارح کی حیثیت حاصل ہوگئی تھی۔ مولانا کی تفسیر ''الہام الرحمٰن'' ایک خاص انداز میں ولی اللہی طرزِ تفسیر ہی کی توسیع ہے۔ وہ جہاں جہاں گئے ،اپنے علم و فضل کی گونج چھوڑ آئے۔ وطن واپسی کے بعد مولانا سندھیؒ کا قیام جامعہ ملّیہ دہلی میں رہا۔

مولانا سندھیؒ، سندھ کے دورے کے دوران بیمار ہو گئے۔ اپنی بیٹی کے پاس دین پور تشریف لے گئے اور بالآخر ۲۲ راگست ۱۹۴۴ء کو اسلام کا یہ عظیم فرزند اور مفسر قرآن داعی اجل کو لبیک کہہ گیا۔ ان کے جسدِ خاکی کو ان کے مرشد مولانا غلام محمد دین پوریؒ کے قدموں میں دفن کیا گیا۔

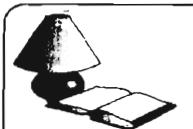

حُسنِ انتقاد

تبصرہ کے لئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے۔

ذ۔ بخاری

قضیہ کا خاتمہ ۱۹۹۴ء میں پاکستان میں ایک کتاب چھپی ''اصلاح المفاہیم''۔ مصنف تھے شیخ محمد مکی مالکی (مقیم مکہ مکرمہ) اور مترجم تھے مفتی انیس احمد لاہوری۔ دلچسپ بات یہ ہوئی کہ ملک کے اکابر علماء دیوبند نے عربی متن کی تائید و تصویب فرمائی اردو متن کی تردید و تغلیط۔ اصلاً یہ اختلاف حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی (رحمۃ اللہ علیہ) کے حلقۂ منتسبین میں رونما ہوا۔ اور پھر کوئی چھے سال کی کوشش کے بعد، یہ اختلاف رفع ہوا اور شکر رنجی دور ہوئی۔ یہ ساری روداد اجمالاً اس کتابچے میں آ گئی ہے۔ خصوصاً مولانا محمد عزیز الرحمٰن صاحب ہزاروی زید مجدہم خطیب مسجد صدیق اکبرؓ و مہتمم مدرسہ انوار صحابہؓ (راولپنڈی) کا اپنی بعض آراء سے اعلان رجوع و برأت لائق صد رشک و مبارک باد ہے۔

اس سلسلے میں ایک افسوس ناک بات البتہ یہ ہوئی ہے کہ بعض وہ حضرات جو بخت و اتفاق سے (بلکہ بلطائف الحیل) زمرۂ اکابر میں داخل ہوئے ہیں اور جنہیں اس طرح کے اختلافات کے فرو ہونے سے اپنی بزرگی (یا، بزرگی کے بھرم) کے زائد المیعاد ہونے کا خدشہ لاحق ہے، اپنی عادت، طبیعت، فطرت اور ضرورت کے ہاتھوں مجبور ہو کر ابھی تک خوردہ گیری کی کفگیر چلائے جا رہے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ اب جبکہ ''قضیہ کا خاتمہ'' ہو چکا، پیشہ ور ناقدوں کا سیلاب بلا کس کے گھر کا رخ کرتا ہے، تا کہ مشیخیت کی آڑ میں، خصومت پروری اور منازعت آفرینی کی نت نئی مہمیں سر کر سکے۔

کتابچے کے مرتب مولانا حافظ نثار احمد الحسینی ہیں۔ یہ انہی سے، مدرسہ عربیہ حنفیہ تعلیم السلام مدینہ مسجد، محلّہ زاہد آباد (حضرو اٹک) کے پتے پر، (شاید بلا قیمت) طلب کیا جا سکتا ہے۔

فرائضِ والدین جوائنٹ فیملی سسٹم ...... کہ جس کے لیے اردو میں ''مشترکہ خاندانی نظام'' یا کوئی اور بھلا سا ترجمہ لایا جا سکتا ہے، مغرب میں گویا کئی زمانوں سے قصۂ پارینہ ہے۔ اسباب کی دنیا میں آپ اسے ''صنعتی انقلاب'' کا شاخسانہ بتلائیں یا ''فرد کی آزادی'' کا لازمی نتیجہ ...... بہر حال ایک بات طے ہے کہ تہذیب و مذہب کے گھٹتے بڑھتے اثر و نفوذ، بلکہ ان کی گھٹتی بڑھتی آویزش اور آمیزش کے مظاہر میں سے ایک بڑا مظہر ''فرد کی تنہائی'' ہے۔ مغرب کو اب اس سے مفر بھی نہیں اور اس سے دست برداری کا حوصلہ بھی نہیں۔

ادھر (بقولِ اقبالؔ) ہم مشرق کے مسکینوں کا، دل مغرب میں جا اٹکا ہے۔ لیکن ہمارا معاملہ آسمان سے گرا، اور

کھجور میں اٹکا والا ہے۔خصوصاً مسلمان........ کہ بہت کچھ ''مغربیائے'' جا چکے ہیں لیکن حالت وہی سانپ کے گلے میں چھچھوندر کی سی ہے۔اور یہ کوئی آج کا رونا دھونا نہیں ہے۔حالی نے کہا........ آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا۔اور اکبر نے فرمایا........ آدمی آدمی بناتے ہیں، نیز یہ بھی بتلایا کہ آج کل کے بیٹے باپ کو خبطی کیوں سمجھتے ہیں؟ یہ مختصر کتاب جو مولانا قاضی محمد ارشد الحسینی (زید مجدہ) کے قلم سے نکلی ہے، کچھ انہی تاثرات و احساسات کی گونج رکھتی ہے۔سادہ، واشگاف اور دوٹوک اندازِ بیاں........ حکایات، ملفوظات اور تمثیلات ...... آیات، احادیث اور اشعار........ گویا کتاب نہیں مرقع ہے مرقع!

ضخامت: ۱۲۸ صفحات، کتابت طباعت: مناسب، قیمت: درج نہیں (شاید ہدیۂ محبت ہے)، اور ملنے کا پتا: خانقاہ مدنی، دارالارشاد، اٹک شہر

دینی مدارس کی مثالی خدمات

لفظ...... کیا ہے، اس کی طاقت کیا ہے، اس کی ماہیت اور منصب کیا ہے؟ یہ ایک دلچسپ اور طویل بحث ہے جو کبھی کبھی لا طائل ہو کر نری سخن سازی بن جاتی ہے۔لیکن ایک بات طے ہے کہ لفظ، معانی ومفاہیم ہی نہیں دیتے، کچھ ہیولے بھی بناتے ہیں۔صوری بھی اور معنوی بھی، تلازماتی بھی اور صوتیاتی بھی۔ہم ان ہیولوں کو، لفظوں کے غیر مرئی ارتسامات کہہ سکتے ہیں۔اب یہی دیکھئے کہ ''دینی مدرسہ'' کہ دو لفظ کان میں پڑیں تو خواہ مخواہ ایک یبوست، پس ماندگی، بے چارگی، بے وقعتی یا.... کم سے کم، ایک خاص قسم کی ''کمتری'' کا احساس ہوتا ہے۔ کالج، یونیورسٹی کا نام لیں تو گویا ایک ''چہل پہل'' کا احساس ہوتا ہے، یعنی...... ایک خاص قسم کی ''برتری''!

مولانا زاہد الراشدی صاحب مدظلہ کے اخباری کالموں کا یہ مجموعہ اسی احساس کمتری کو احساس برتری میں بدلتا ہے۔اب اسے کوئی معمولی بات سمجھے تو یہ اس کی ''جہالت'' ہے۔لفظ ذرا سخت ہے، چلیے ''بے خبری'' یا ''لاعلمی'' کہہ لیجئے۔ میں اس نہایت قیمتی اور نہایت مفید کتاب کے مندرجات کی تفصیل اس لیے نہیں بتلاؤں گا کہ بعض اوقات ''تبصرہ'' سے ایسی کتابوں کا حق تو کیا ادا ہو، الٹا حق تلفی ہوتی ہے۔بس میرا تاثر یہ ہے کہ یہ کتاب دینی مدارس کے اساتذہ کو ''جبراً'' اور طلبا کو ''سبقاً'' پڑھائی جانی چاہیے۔

ضخامت: ۹۶ صفحات، طباعت کتاب: نہایت عمدہ، قیمت: ۶۰ روپے (کچھ زیادہ) اور ملنے کا پتہ: مکہ کتاب گھر، سیکنڈ فلور، الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور ہے۔

با محمد، باوقار (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی (علیہ الرحمتہ) کو رحلت فرمائے چار سال ہو چکے۔ قاضی صاحب ایک کثیر التصانیف، وسیع العلم، سریع القلم، سلیم الفہم، عالی نسبت اور بلند مرتبت بزرگ تھے۔صوفی المشرب تھے۔اسی لئے صاحب دل تھے۔صاحب دلی ایک بہت ہی عجیب اور بہت ہی عظیم نعمت ہے۔اللہ نہ کرے کوئی مسلمان اس

سے یکسر محروم رہے۔ اس سے محرومی صاحب دماغی پیدا کرتی ہے۔اور صاحب دماغوں کی مثال ایسی ہے جیسی (خواجۂ خواجگانِ ادب، حضرت مشفق خواجہ کے الفاظ میں) کسی چاہِ بے آب، ابر بے باراں، نخلِ بے میوہ، خانۂ بے چراغ اور چراغ بے نور کی! اسلاف سے کوئی سے نسبت روحانی نہ رکھنے والے مسلمانوں کے اندازِ مسلمانی کو دیکھ کر جی کڑھتا ہے۔ وہی...... اپنا گوہر شبِ چراغ چھوڑ کر، دوسروں کے خذف ریزوں پر للچانے والوں کے سے انداز...... بے کسی ہائے تماشا، بے دلی ہائے تمنا...... نہ دین، نہ دنیا!

قاضی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی اس کتاب کی یہ پانچویں اشاعت ہے۔ مختصر یہ کہ ہماری صاحب دماغی کا یہ بہترین علاج ہے۔ وہ جو ہمارے ایمان کی جان، ایمان کی روح اور ایمان کی علامت ہے...... محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی، یہ کتاب اس نعمت کی قدر شناسی کا طریقہ بھی بتاتی ہے، سلیقہ بھی اور قرینہ بھی۔ ظفر علی خان کس وقت یاد آئے

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہی تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہی تو ہو

آپ اسے ''عشقِ رسول'' کہنا چاہیں تو جب بھی، اور ''حُبِّ رسول'' کہنا چاہیں تو جب بھی...... یہ مختصری کتاب آپ کے دل میں اس کی جوت جگا سکتی ہے۔ (ان شاء اللہ)۔...... برکات، فضائل، احکام، مسائل، ہدایات اور حکایات کا ایک نورانی مجموعہ!... ضخامت: ۱۸۴ صفحات، کتابت طباعت: مناسب، قیمت ۸۰ روپے، ملنے کا پتہ: دارالارشاد، مدنی روڈ، اٹک شہر

شاہنامہ بالاکوٹ (جلد اوّل و دوم)

شاہنامہ اور رزمیہ میں فنی طور پر کیا فرق ہے؟ میرا خیال ہے کوئی فرق نہیں۔ انگریزی میں یہی صنف EPIC (ایپک) کہلاتی ہے۔ رزمیہ کہنا، کچھ ایسا آسان کام نہیں۔ یوں سمجھیے جو کام سورما، ساونت اور یُدھمان۔۔ یُدھ پڑنے پہ سرِ میدان کرتے ہیں، وہی کام شاعر سرِ قرطاس کرتے ہو۔ یعنی

ع...... یہ ''سخن'' کی تیغ بازی، وہ سپہ کی تیغ بازی

اردو میں رزمیہ گوئی کی روایت کچھ ایسی قدیم اور مقبول نہیں رہی اور نہ ہی کچھ ایسی مربوط و مضبوط بھی (عربی اور فارسی کے مقابلے میں خود اردو زبان بھی تو کچھ ایسی قدیم نہیں)۔ سوچنے کریدنے اور کھوجنے بھالنے سے شاید چند نام اور مل جائیں، ورنہ تو ادھر اکیلے حفیظ جالندھری کے ''شاہنامۂ اسلام'' کا ہی سکہ چلتا ہے، اور خوب چلتا ہے۔ یا پھر اس کے بعد اب علیم ناصری ''شاہنامہ بالاکوٹ'' کے ساتھ طلوع ہوئے ہیں۔ پندرہ ہزار شعروں پر مشتمل اور ایک ہزار صفحوں پر پھیلی ہوئی یہ رزمیہ، لاریب ایک کارنامہ ہے، کارنامہ نہیں کرامت ہے، اور اس بات کا ثبوت بھی ہے کہ ہمارے بزرگ اور محترم رزمیہ گو، مستجاب الدعوات بھی ہیں۔ ان کا شعر دیکھیے کہ

خداوندا مجھے ان راستوں میں استقامت دے
قلم کو حق نگاری کے لیے حسنِ کرامت دے

یقیناً اس شاہنامے کے مصنف نے اللہ سے جو مانگا تھا، پالیا۔ اسے رزم نامہ، جنگ نامہ، رزمیہ، جہادیہ۔۔ جو بھی کہیے درست ہے، لیکن یہ اس سے کچھ آگے ہی کی چیز ہے۔ سلطان اورنگزیب عالمگیر کی وفات (۱۷۰۷ء) سے لے کر بالاکوٹ کے شہزادگانِ شہادت مآب کے معرکۂ جاں سپاری (۱۸۳۱ء) تک، سوا سو سال کی ہند اسلامی تاریخ کو محیط، اس طویل تر مثنوی کا اسلوب و آہنگ بجا طور پر رجزیہ ہے۔ لیکن، کوئی نہیں کہہ سکتا کہ شاعرانہ مبالغے میں کسی ایک بھی تاریخی واقعے کی شکل بدل ڈالی ہے۔ یہ وہ ''کرامت'' ہے جو ہمارے اس اکل کھرے، موحد اور متشرع شاعر کے خامۂ معجز رقم سے ظہور پزیر ہوئی ہے۔

ایک ضمنی بات یہ کہ مصنف نے حضرت سید احمد شہیدؒ کے حوالے سے لکھے گئے ''قصدیۂ تہنیتِ حج'' (از قلم سید ابوالحسن میواتی) اور ''مثنوی جہادیہ'' (از قلم حکیم مومن خان مومن) کا ذکر اپنے شاہنامے کی پیش رو شعری کاوشوں کے طور پر فرمایا ہے۔ لیکن، اس ضمن میں وہ اپنے باکمال معاصر، حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ (رحلت: ۱۹۹۵ء) کا ذکر کرنا بھول گئے کہ جن کی طویل منقبت ''مجددِ اعظم'' (مطبوعہ ۱۹۵۰ء) اردو کے پورے ذخیرۂ شاعری میں اپنی نوعیت کی بے مثال چیز ہے۔ اور اب آخر میں، ''شاہنامۂ بالاکوٹ'' سے چند ابیات بلکہ تبرکات......

جہاں باطل کو حق سے برسرِ پیکار ہونا ہے　　نصیبِ خاکِ بالاکوٹ کو بیدار ہونا ہے
جہاں ذروں کو اٹھ کر مہرِ عالم تاب بننا ہے　　جہاں قطروں کو مٹ کر، گوہرِ نایاب بننا ہے
جہاں جذب و جنوں کا اک جہاں تعمیر ہونا ہے　　جہاں کی ظلمتوں کو مرکزِ تنویر ہونا ہے
جہاں کے سنگریزوں کو گلستانوں میں ڈھلنا ہے　　جہاں سے کارواں کو پھر سے نئی راہوں پہ چلنا ہے

جلد اوّل و دوم کی یکجا قیمت: ۴۵۰ روپے، کتابت طباعت: عمدہ اور ناشر ادارہ: ادارہ مطبوعاتِ سلیمانی، رحمان مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور ہے۔

تالیف بشیر احمد (ایم اے)
(فیلو سکول آف لا اینڈ ڈپلومیسی، امریکہ)
عنوانات
☆ فری میسنری کی تین سو سالہ تاریخ
☆ گھناؤنی سازشوں کی پردہ کشائی
☆ عالم اسلام کی تباہی میں سیاسی کردار
☆ اہم حقائق کا تجزیہ مطالعہ
☆ قیمت: =/250 روپے
ناشر: اسلامک سٹڈی فورم۔ راولپنڈی
ملنے کا پتہ: بخاری اکیڈمی، دار بنی ہاشم مہربان کالونی، ملتان

امیر احرار ابن امیر شریعت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم کی تبلیغی و تنظیمی مصروفیات

29,28/ جولائی 2001ء: بہاولپور، بہاولپور گھلواں

31,30/ جولائی 2001ء قیام دار بنی ہاشم۔ ملتان

یکم اگست: ماہانہ درسِ قرآنِ کریم بعد از نمازِ عشاء مسجد نور ملتان

2، اگست: ماہانہ درسِ قرآن کریم بعد از عشاء مکی مسجد چوک حرم دروازہ ملتان

3، اگست: خطبہ جمعہ مدنی مسجد احرار مرکز چنیوٹ

4 تا 14 اگست: قیام چناب نگر/ 10 اگست خطبہ جمعہ مسجد احرار چناب نگر

17، اگست: خطبہ جمعہ ڈیرہ غازی خان بعد نماز مغرب درس قرآن

برمکان حاجی محمد اسلم صاحب

24، اگست: خطبہ جمعہ دار بنی ہاشم ملتان

30، اگست: مجلس ذکر بعد نماز مغرب دار بنی ہاشم ملتان

31، اگست: خطبہ جمعہ دار بنی ہاشم ملتان

یکم ستمبر: درسِ قرآن مسجد نور کوٹلہ تولے خان ملتان

2، ستمبر: درس قرآن مکی مسجد چوک حرم گیٹ ملتان

4، 5، 6، ستمبر: ختم نبوت کورس دفتر احرار لاہور

7، ستمبر: خطبہ جمعہ مدنی مسجد احرار مرکز بخاری ٹاؤن چنیوٹ

7، ستمبر: تحفظِ ختم نبوت کانفرنس بعد نماز مغرب دفتر احرار لاہور

9، ستمبر: خطاب بعد از ظہر جامعہ یوسف بنوری سیالکوٹ

10، ستمبر: تنظیمی دورہ، ملاقات ومشاورت احباب احرار گوجرانوالہ وزیر آباد

14، ستمبر: خطبہ جمعہ مسجد احرار چناب نگر

15 تا 18، ستمبر: قیام چناب نگر

20، ستمبر: خطاب بعد از ظہر چوبارہ والی مسجد مدینہ سلطان پور (میلسی)

21، ستمبر: خطاب بعد از جمعہ جامع عثمانیہ شورکوٹ

27، ستمبر: مجلس ذکر بعد نماز مغرب دار بنی ہاشم ملتان

28، ستمبر: خطبہ جمعہ دار بنی ہاشم ملتان

ماہانہ مجلس ذکر، روحانی اجتماع واصلاحی بیان

30 اگست 2001ء، بروز جمعرات بعد نماز مغرب دار بنی ہاشم ملتان

حضرت پیر جی ابن امیر شریعت

سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

اصلاحی، تربیتی بیان فرمائیں گے۔

احباب و متعلقین نمازِ مغرب تک پہنچ جائیں

المعلن: ناظم مدرسہ معمورہ دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان (فون 061-511961)

مولانا محمد حسین کے قاتلوں کو گرفتار کر کے عبرت ناک سزا دی جائے

گزشتہ ماہ چیچہ وطنی میں ایک عالمِ دین مولانا محمد حسین شاہ کو قتل کر دیا گیا

چیچہ وطنی (۲۷ جولائی) ضلع ساہیوال کے سرکردہ علماء کرام اور مذہبی رہنماؤں نے کہا ہے کہ ناموسِ صحابہ کرام کے تحفظ کے لیے کسی بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کیا جائے گا۔ اگر مولانا محمد حسین شاہ کے مقدمہ قتل میں انصاف کے تقاضے پورے نہ کیے گئے تو ہم راست اقدام سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ نواحی چک نمبر ۱۰/۱۲۔ ایل کی جامع مسجد میں شہید ناموسِ صحابہ مولانا محمد حسین شاہ کی یاد میں منعقدہ تعزیتی اجتماع سے مجلس احرار اسلام کے مرکزی رہنما عبداللطیف خالد چیمہ، جمعیت علماء اسلام کے مولانا عبدالباقی اور مفتی محمد عثمان غنی، مسجد نور ساہیوال کے خطیب مولانا غلام مرتضیٰ انجم، سپاہِ صحابہ کے محمد ابراہیم ونو، تنظیم الاخوان کے ضلعی صدر حاجی محمد اسحٰق، امان چیمہ، اور دیگر رہنماؤں نے خطاب کیا جبکہ قاری عبدالرحمٰن، سپاہِ صحابہ کے صدر انتظار احمد اور قاری اظہر اسحٰق عزیز بھی اس موقع پر موجود تھے۔ عبداللطیف خالد چیمہ نے کہا کہ مولانا محمد حسین شاہ کی شہادت سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ منکرینِ صحابہ گروہ اپنی رافضی وسبائی روایات کے مطابق فتنہ انگیزیوں اور امن دشمن کارروائیوں میں مصروف ہے اور علاقے کے امن کو تہہ و بالا کرنے کے در پے ہے۔ انہوں نے کہا کہ مولانا شہید کے نزعی بیان، حالات و واقعات اور شواہد کے باوجود بعض سرکاری افسران اور پولیس اس کیس میں مکمل جانب داری کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ اگر مظلوموں کی دادرسی نہ ہوئی تو ردعمل کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتِ حال کی ذمہ داری بھی انہی لوگوں پر ہوگی جو اس صورتِ حال کے موجب بن رہے ہیں۔ ہم سب کو یاد رکھنا چاہیے کہ پھر ایک عدالت ایسی بھی آئے گی جہاں اثر و رسوخ، دھونس، رشوت اور سفارش کام نہ آئے گی۔ مولانا عبدالباقی نے کہا کہ صحابہ کرام کی منقبت بیان کرنا ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ جو لوگ توہینِ صحابہ کرتے ہیں وہ قرآن و سنت کے بھی منکر ہیں ان کا اسلام سے ہرگز کوئی تعلق نہیں۔ مفتی محمد عثمان غنی نے کہا کہ مولانا محمد حسین شاہ کے خون کو رائیگاں نہیں جانے دیا جائے گا۔ پولیس نے اپنی غیر جانب داری کو یقینی نہ بنایا تو احتجاج کا سلسلہ پورے علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ مولانا غلام مرتضیٰ انجم نے کہا کہ ضلع ساہیوال کے علماء کرام اور مذہبی قوتیں اس کیس میں ہر ممکن تعاون کریں گی۔ اور اہلِ سنت کے خلاف ہونے والی سازشوں کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گی۔ حاجی محمد اسحٰق نے کہا کہ مولانا شہید نے دین کی سربلندی اور صحابہ کرام کی عظمت کے لیے زندگی بھر جدوجہد کی اور لوگوں کی اصلاح کے لیے اپنے آپ کو وقف کیا ان کو قتل کرنے والے ضرور اپنے انجام کو پہنچیں گے۔ امان اللہ چیمہ نے کہا کہ صحابہ کرام کی سچی محبت کے بغیر دین سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ جلسہ میں درج ذیل قراردادیں بھی منظور کی گئیں۔

مولانا محمد حسین شاہ قتل کیس کی سماعت انسدادِ دہشت گردی کی عدالت میں کی جائے۔ تفتیش پر اثر انداز ہونے والے سرکاری اہل کاروں کے خلاف کارروائی کی جائے، ازواج و اصحابِ رسول (ﷺ) کے خلاف تقریر و تحریر پر پابندی لگائی جائے۔

عبداللطیف خالد چیمہ کی برطانیہ روانگی

مجلس احرار اسلام پاکستان کے مرکزی ناظم نشریات عبداللطیف خالد چیمہ ان شاء اللہ تعالیٰ اگست کے وسط میں برطانیہ روانہ ہو جائیں گے۔ اور کم و بیش چار ماہ تک وہاں قیام کریں گے۔ اس دوران وہ اپنی نجی مصروفیات کے ساتھ ساتھ برطانیہ کے سرکردہ علماء کرام اور مذہبی و سیاسی رہنماؤں سے ملاقاتیں اور دینی و قومی مسائل پر مشاورت بھی کریں گے۔ اور مختلف اجتماعات میں شریک ہوں گے۔

مجلس احرار اسلام کے کام کو منظم کرنے اور ماہنامہ ''نقیبِ ختم نبوت'' کی اشاعت کو بڑھانے کے لیے وہ ہم فکر ساتھیوں سے بھی رابطے کریں گے۔ ان کی عدم موجودگی میں جناب میاں محمد اویس (لاہور) قائم مقام مرکزی ناظم نشریات کے فرائض انجام دیں گے۔

برطانیہ میں جناب عبداللطیف خالد چیمہ صاحب سے درج ذیل پتوں پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔

1) 104 CLEMENTS ROAD 2DF EASTHAM E.6 LONDON (UK) Tel: 0208- 470-1065

2) 25 ROWAND AVE GIFFNOCK-7PE GLASGOW, G 46, (UK) Tel: 0141-6211325 - 9443018

ہمارے سٹاک میں آنے والی چند نئی کتب

نام کتاب	اسمِ گرامی: مصنف، مؤلف، مرتب	قیمت
معارف القرآن (مکمل 8 جلدیں)	مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ	1500/=
معارف الحدیث (مکمل 8 جلدیں)	مولانا منظور احمد نعمانیؒ	940/=
معارف الحدیث (8 ویں جلد)	// // // (انڈیا ایڈیشن)	250/=
براہین اہل سنت کامل	علامہ دوست محمد قریشیؒ	200/=
احکام ومسائل (خطبات جمعہ، عیدین، نکاح)	امام اہلسنت حضرت مولانا سید ابومعاویہ ابوذر بخاریؒ	250/=
تعلیماتِ آلِ رسولؐ	مؤرخ اسلام مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ	200/=
پھر وہی قیدِ قفس	// // //	120/=
خطبات فاروقی شہیدؒ	// // //	400/=
مقالات سیرۃ النبی	مولانا عبدالستار جھنگوی	40/=
مولانا عبیداللہ سندھی کی انقلابی تعلیمات	مولانا قاضی سراج نعمانی صاحب مدظلہ	50/=
عقیدہ اہل الاسلام فی حیاۃ عیسیٰ	حکیم محمود احمد ظفر	50/=
نورالصدور فی احوال الموتی والقبور	// // //	50/=
واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر (جدید ایڈیشن مطبوعہ انڈیا)	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی (مقدمہ مولانا محمد منظور نعمانی)	
خطبات انور (اصحاب رسول پر نایاب تقاریر)	مولانا ڈاکٹر محمد رفیق صاحب	165/=
جہادِ ختم نبوت کے جاں نثار	محمد طاہر عبدالرزاق	90/=
علیکم بسنتی	حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب نوراللہ مرقدہ	18/=
چھ گناہ گار عورتیں	مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی	12/=
صلوٰۃ التسبیح کے فضائل اور مسائل	// // //	10/=
امراض جدیدہ کا روحانی حل	قاضی محمد عبدالکریم صاحب میلسوی	36/=
شفاء المریض	// // //	25/=
الفرقان (مولانا محمد منظور نعمانی نمبر)	مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی	200/=
مرزائیت.... نئے زاویوں سے	مولانا محمد حنیف ندویؒ	90/=
اصلاحی مواعظ	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ	240/=
اصلاحی تقریریں	مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ	300/=
نغمات طاہر (اول، دوم، سوم)	ملک شہادت علی طاہر جھنگوی	66/=
جواہرات فاروقیؒ	علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقیؒ	150/=
خلافت وحکومت	علامہ ضیاء الرحمٰن فاروقیؒ	200/=
خطبات شعیب ندیم شہیدؒ	مولانا شعیب ندیمؒ کے ایمان افروز تقاریر کا مجموعہ	200/=

بخاری اکیڈمی دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان فون نمبر: 061-511961

افکارِ احرار

محسن احرار ابن امیر شریعت مولانا
سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ

نظام کس طرح بدلے گا، انقلاب کیسے آئے گا؟

مجلس احرار اسلام موجودہ اور مروّجہ انتخابی سیاست کی آلودگیوں سے پاک ایک دینی جماعت ہے۔ احرار اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جمہوریت اور الیکشن پاکستان کے موجودہ مسائل کا حل نہیں۔ ہماری تمام مشکلات کا حل صرف اور صرف ''حکومتِ الٰہیہ'' کے قیام اور نفاذ اسلام میں مضمر ہے۔ جو لوگ جمہوریت اور الیکشن میں اسلام ڈھونڈ رہے ہیں انہیں گمراہ کیا گیا ہے اور اسلاف کے نقشِ قدم سے برگشتہ کیا گیا ہے۔ کام کرنے کے کئی محاذ ہیں۔ دین کی ساری محنت کی اساس تبلیغ اور جہاد ہے۔ ان میں سے کسی ایک بنیاد کو چھوڑنا ہی گمراہی ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کے مطابق انہی دونوں بنیادوں پر نفاذِ اسلام اور اسلامی انقلاب کی عمارت قائم ہے۔ احرار کارکن انہی بنیادوں پر اپنی جدوجہد جاری رکھے ہوئے ہیں۔

جب سے ہماری قومی قیادت نے دین سے رشتہ توڑا اور بدعہدی کی ہے، ملک اور قوم غلام بن کر رہ گئے ہیں۔ آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور امریکہ و برطانیہ نے ہمارا سب کچھ تباہ کر دیا ہے۔ ہم ان کے محض نوکر بن کر سانس پورے کر رہے ہیں۔ حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کی گئی پیش گوئی کے مطابق ''حُبِ دنیا اور موت کے خوف'' میں مبتلا ہیں۔ آج لوگ سوال کرتے ہیں کہ تبدیلی کیسے آئے گی اور نظام کیسے بدلے گا، کون بدلے گا؟

ہمارا ایک ہی جواب ہے۔ تبدیلی اور انقلاب، تبلیغ اور جہاد کے ذریعے سے ہی ممکن ہے۔ اسلام کے سوا تمام طاغوتی نظاموں کو ختم کرنا ہی دین کا منشاء اور تکمیل انقلاب ہے۔ ہم اللہ سے توفیق مانگ کر اس راہ پر نکلیں تو ہم ہی انقلاب برپا کریں گے۔ الیکشن، ووٹ، جلسے جلوس، احتجاج اور ریلیوں کے ذریعے نفاذ اسلام ناممکن ہے۔ میں آپ کی خدمت میں دین کا درد لے کر حاضر ہوا ہوں۔ دینی جماعتوں کا موجودہ انتشار اور تفریق لادینی نظاموں کی اتباع کا نتیجہ ہے۔ احرار ..... اس ملک میں دینی تعلیم و تربیت، تبلیغ، اصلاحِ احوال و اعمال اور جہاد کے ذریعے انقلاب برپا کرنے کے داعی ہیں۔ میں ان میں اعلیٰ ترین مقاصد کی تکمیل کیلئے آپ سے تعاون کی درخواست کرتا ہوں۔ اور آپ کو مجلس احرار اسلام میں شمولیت کی دعوت دیتا ہوں۔

رحیم یار خان..... مارچ ۱۹۹۸ء
جماعت کا منصب امارت سنبھالنے کے بعد
احرار کارکنوں کی طرف سے استقبالیہ میں خطاب

محقق دوراں جانشین امیر شریعت حضرت مولانا

سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ

کی بے مثال علمی و تحقیقی تالیف مع اضافات جدید

احکام و مسائل

خطبات جمعہ، نکاح و عیدین

علماء طلباء اور عامتہ الناس کے لئے دینی معلومات کا ایک نادر و نایاب علمی تحفہ

ایک ایسی کتاب جس کا تمام علمی حلقوں میں برسوں سے انتظار کیا جا رہا تھا پہلی بار جدید کمپیوٹر کتاب، اعلیٰ سفید کاغذ، عمدہ طباعت اور جاذب نظر سرورق کے ساتھ پیش خدمت ہے

صفحات ____ 525 قیمت ____ 250

عنوانات

☆ فضائل و احکام جمعہ
☆ فضائل و احکام رمضان
☆ احکام عید الفطر
☆ احکام عید الاضحیٰ
☆ اسلام کا قانون نکاح
☆ فضائل و احکام عقیقہ
☆ فضائل و احکام صلوٰۃ الاستسقاء
☆ فضائل و احکام دعاءِ قنوت نازلہ

نوٹ

قارئین نقیب ختم نبوت مبلغ -/200 روپے پیشگی منی آرڈر روانہ کر کے رجسٹرڈ ڈاک سے کتاب حاصل کریں۔

بخاری اکیڈمی دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان فون: 511961

یومِ تحفظِ ختم نبوت کے مبارک موقع پر

سالانہ تحفظِ ختمِ نبوت کانفرنس لاہور

7، ستمبر 2001، بروز جمعہ بعد نمازِ مغرب

زیر صدارت امیر احرار، ابنِ امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

دفتر مجلس احرارِ اسلام حسین سٹریٹ، وحدت روڈ نیو مسلم ٹاؤن لاہور

خطاب

☆ امیر المجاہدین حضرت مولانا ڈاکٹر سید شیر علی شاہ صاحب مدظلہ ☆ زعیم احرار محترم چودھری ثناء اللہ بھٹہ ☆ مولانا زاہد الراشدی صاحب ☆ یادگار اسلاف مولانا محمد اسحٰق سلیمی صاحب مدظلہ ☆ محترم پروفیسر خالد شبیر احمد صاحب ☆ محترم عبداللطیف خالد چیمہ صاحب ☆ مولانا محمد اشرف صاحب ☆ محترم محمد طاہر عبدالرزاق صاحب ☆ محترم ہجنیہ غزنوی صاحب ☆ محترم قمر الحق پاشا صاحب۔ ودیگر مقررین

تین روزہ ردِ قادیانیت کورس

عنوانات

☆ ہٗ ختم نبوت، قرآن وحدیث کی روشنی میں ☆ حیات سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ☆ قرنِ اول کے مدعیان نبوت اور ان کا انجام ☆ عصر حاضر کے مدعیانِ نبوت اور ان کی تحریکات ☆ احرار اور محاسبۂ قادیانیت۔

درج ذیل حضرات کے لیکچر ہوں گے

☆ حضرت مولانا زاہد الراشدی ☆ مولانا محمد مغیرہ ☆ مولانا محمد اشرف ☆ جناب پروفیسر خالد شبیر احمد ☆ جناب طاہر عبدالرزاق ☆ سید محمد کفیل بخاری ☆ جناب عبداللطیف خالد چیمہ

نوٹ:۔ کورس میں صرف مقامی حضرات ہی شریک ہو سکیں گے۔

تین روزہ تحفظِ ختمِ نبوت کورس

4، 5، 6 ستمبر 2001ء

منگل، بدھ، جمعرات

روزانہ بعد نمازِ عصر تا عشاء

مقام: دفتر مجلس احرار اسلام 69 سی حسین سٹریٹ، وحدت روڈ نیو مسلم ٹاؤن لاہور

فون: 042-5865465

منجانب: تحریکِ تحفظ ختمِ نبوت (شعبۂ تبلیغ) مجلس احرارِ اسلام پاکستان

Designed by: Shahzad Al-Kitab Graphics Multan. 061-584604